ندوی، "المولود ۱۳۱ ھ" نے عرب کے مشہور شاعر کعب بن زہیر کے اس قصیدہ کا تشریحی ترجمہ کرکے شایع کیا ہے جسکو انھون نے اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام کے مجمع مین آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے آپ کی شان مین پڑھا تھا اور انکو اس کے صلہ مین آپنے اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی، رسالہ کے شروع مین شاعر کے مختصر حالات زندگی مین، پھر قصیدہ اور اس کا ترجمہ مع شرح ہے، جس مین مشکل لغات کی تشریح بھی کیگئی ہے، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور بامحاورہ ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۳۲ صفحے، کتابت وطباعت اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۶ ر پتہ :- دائرہ مطبوعات ملیہ جونپور،

عربی طب، جناب مولوی حکیم شمس الدین احمد صاحب نے مسلم اکاڈمی لکھنؤ کے ایک جلسہ مین عربون کے علم طب پر ایک مختصر خطبہ دیا تھا، جس مین عربون کے علم طب اور یورپ کے اس سے استفادہ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا تھا، مسلم اکاڈمی نے اسی خطبہ کو "عربی طب" کے نام سے شائع کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۳۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی، چھپائی اچھی ہے، پتہ: مسلم اکاڈمی لکھنؤ،

سفر حجاز، جناب نادر بادشاہ صاحب مرحوم رئیس وانمباڑی مدراس کے سفر حج کے حالات کو "سفر حجاز" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، ضخامت ۱۳۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت ۸ ر پتہ :- جناب مولوی خطیب محمد عبدالرشید صاحب نمبر ۸، گوڈون اسٹریٹ، مدراس،

ریلوے مسافر، جناب علی احمد صاحب زاہد جبلپوری نے ریلوے ایکٹ مین سے ضروری معلومات کو عام فہم سلیس اردو مین لکھ کر ایک خاص ترتیب کے ساتھ "ریلوے مسافر" کے نام سے شائع کیا ہے، ریلوے سفر کرنے والے لوگون کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۵ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۴ ر پتہ :- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور (ممالک متوسط)

لمحات نور، دسمبر ۱۹۲۶ء کے رسالہ مین اردو اشعار کے نئے اور دلچسپ مجموعہ لمحات نور پر جو تبصرہ لکھا گیا تھا اس مین اسکی قیمت ۱۲ لکھی گئی تھی، حالانکہ اسکی اصلی قیمت ۸ ہے، پتہ :- حافظ قمر الدین اینڈ سنز تاجران کتب موچی دروازہ لاہور،

"ز"

مجلد نوزدہم	ماہ شوال ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۷ء	عدد چہارم

مضامین

~~~~~~
~~~~~~

شذرات

افسوس ہے کہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ نے گذشتہ ماہ اس دار فانی کو الوداع کہا، مرحوم بنگال کے ان چند ممتاز اہل علم مین تھے جنپر اس صوبہ کو ناز تھا، معارف کے صفحات بھی اکثر ان کے مضامین سے زینت پاتے رہے ہین، ہندوستان کے قلمی کتب خانون، اور نادر علمی جواہر کے گوشہ گوشہ سے ان کو واقفیت تھی، اور ایشیاٹک سوسائٹی کی طرف سے کتابون کی تلاش مین انھون نے تمام ہندوستان کو چھان ڈالا تھا، چند سال سے عجائب خانہ کلکتہ مین آثار قدیمہ کی تحقیق کا کام ان کے سپرد ہوا تھا، افسوس کہ بنگال کا یہ نامور محقق اس عجائب خانۂ عالم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا،

ہندوستانی اکاڈیمی کا افتتاحی جلسہ صوبہ کے گورنر کے زیر صدارت ۲۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو قیصر باغ کی بارہ دری مین منعقد ہوا، وزیر تعلیمات نے ایڈریس پیش کیا، گورنر نے جوابی تقریر کی، اور اکاڈیمی کے صدر ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے شکریہ ادا کیا، ہندوستانی اکاڈیمی جو دیسی زبانون کی ترقی کے لیے قائم کیگئی ہے، اسکی یہ تمام کاروائی بدیسی زبان مین انجام پائی، جب یہ دیسی زبانین خوشی و مسرت اور افتتاح و شکریہ کے عام مضامین کی وسعت بھی اپنے اندر نہین رکھتین، تو ان علوم و فنون کی گنجائش ان مین کیونکر پیدا ہوگی، جنکی خدمت کا ہم عزم رکھتے ہین،

ہز اکسلنسی گورنر کی تقریر پڑھکر نہایت تعجب ہوا کہ انھون نے دیسی زبانون کی موجودہ حالت کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہین، وہ بہت حد تک صحیح ہین، ہندی کے متعلق تو ہمین پوری واقفیت نہین، لیکن اردو مین عامیانہ ناولون اور شاعری کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے ہز اکسلنسی نے سالانہ مستقل تصنیفات کی تعداد کا کمتر اندازہ تخمینہ کی ہے، یہ بہت زیادہ ہے، مغربی علوم و فنون کے ترجمہ کو اس اکاڈیمی مین دوسرے درجہ کی اہمیت دینے کا جو مشورہ دیا ہے وہ صحیح نہین، ابھی اردو کے لیے وہ دن بہت دور ہے جب علوم و فنون پر مستقل تصنیفات کا دور اس مین آئیگا،

اکاڈیمی کا باقاعدہ افتتاح بھی ہو چکا، اردو اور ہندی کے جھگڑے کو ہندوستانی کے "عیب پوش لبادہ" مین چھپا بھی لیا گیا، لیکن عمل در آمد مین اگر اس اجمال و ابہام کا قائم رہنا مشکل ہے، چنانچہ اردو دان اور ہندی دان اصحاب کا بحیثیت ممبر کے انتخاب اسکی پوری طرح غمازی کر رہا ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیندہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی تقسیم کی جب نوبت آئے گی تو اس وقت اردو کی قسمت مین کیا آئے گا؟

فارسی سے ہندوستان کا جو تعلق رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہین، لیکن زوال حکومت کے بعد چونکہ اس ملک سے تمام سیاسی، تمدنی اور علمی تعلقات منقطع ہو گئے، اسلیے ہندوستان مین وہی قدیم فارسی جو درسی کتابون مین موجود ہے رہ گئی، اور ملک کا ایک بڑا فارسی دان طبقہ جدید فارسی زبان سے بالکل ناواقف ہے، اس کے ساتھ ہی نہ ہندوستان کو ایران کے علمی خزائن، اور جدید تصانیف سے واقفیت ہے اور نہ ایران کو ہندوستان کے علمی ذخائر سے آگاہی،

ان دونون باتون کو پیش نظر رکھکر ایران کے ادبا و فضلا نے مختلف اسلامی ممالک سے علمی برادری قائم کرنے کیلئے ایک مجلس جامعہ معارف کے نام سے قائم کی ہے، اور اب حیدر آباد کے علم دوست اصحاب نے اسی کی شاخ کے طور پر ایک انجمن شعبۂ جامعۂ معارف کے نام سے حیدر آباد مین قائم کی ہے، کہ ہندوستان و ایران کے قدیم علمی تعلقات کے احیاء کے ساتھ ہی اس ملک کو فارسی جدید سے بھی آگاہ کیا جائے، اس ہندی شعبہ کے صدر ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی ہین، جو اصحاب مزید معلومات حاصل کرنا چاہین وہ آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج، حیدر آباد دکن سے خط و کتابت کر سکتے ہین،

دائرۃ المعارف حیدر آباد علم و فن پر جو احسانات کر رہا ہے اسکی آخری قسط جمہرۃ البلاغہ ابن درید، حماسہ ابن

الشجری، سنن کبریٰ للبیہقی اور فارابی کے چند رسائل ہین، نہایت مسرت ہے کہ دائرہ اپنی ادارت تصحیح، تحشیہ اور خوبی و صفائی مین روز بروز ترقی کر رہا ہے، اگر یہی طرح آگے بڑھتا رہا تو شاید وہ دن دور نہین جب اہل ہندوستان اس پر فخر کر سکینگے، قابلِ طبع کتابون کے انتخاب مین پہلے سے بہت زیادہ حسنِ مذاق کا اظہار ہو رہا ہے، جمہرہ کی تصحیح مین دائرہ نے بہت کچھ صرف کیا ہے، اور یورپ اور ہندوستان کے کئی فاضلون نے اسکو دیکھا اور صحیح کیا ہے، اسی طرح شجری کی حماسہ کی اشاعت بھی ادب عربی کی قابلِ شکر خدمت ہے، لیکن سب سے زیادہ سنن بیہقی کی اشاعت اہل علم کے لیے نوید مسرت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری ناقدردانی کے باوجود دائرہ جو علمی ذخیرہ منظر عام پر لاتا رہتا ہے، وہ نہ صرف مسلمانون پر بلکہ اسلام پر احسان ہے۔

اسی سلسلہ مین یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے مطبوعہ رسائل اور کتب کی دوبارہ اشاعت جنکے نسخے عام طور سے ملتے ہون دائرہ کے مقصد سے خارج ہونا چاہیئے، فارابی کا جو رسالہ ضاعۃ پہلے چھپا تھا اور اب جو چند رسالے پھر چھپے ہین یہ مدت ہوئی کہ یورپ مین چھپ چکے ہین، پھر مصر مین بھی انکی نقل رسائل فارابی کے ضمن مین چھپ چکی ہے، اسلئے انتخاب مین پہلے سے اسکی دیکھ بھال کہ یہ چیزین کہین چھپی تو نہین ہین، بہت ضروری ہے، امید کہ اہل دائرہ ہماری اس مخلصانہ گذارش کو کسی نامناسب معنی پر محمول نہ فرمائین گے،

دارالمصنفین کی اس سال (۱۹۲۷ء) کی جدید مطبوعات مین پہلی کتاب نفسیاتِ ترغیب شائع ہوئی ہے، دوسری کتاب نٹشے ہوگی جسمین اس مشہور جرمن حکیم کے سوانح ہین اور اس کے خیالات، مسائل اور تصنیفات پر ریویو اور تبصرہ ہے، اس حکیم کے خیالات نے جرمن قوم پر جو اثر ڈالا ہے، اور جدید فلسفہ کی تاریخ مین اوس کا جو درجہ ہے، اسکے لحاظ سے ضرورت تھی کہ اردو دان جمہور کو اس سے واقفیت کا موقع بہم پہنچایا جائے، یہ کتاب ایک جرمن فاضل کگلے کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے، یہ اردو ترجمہ ہمارے فاضل عزیز مولوی سید مظفر الدین ندوی ایم اے لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی کے قلم کا رہین منت ہے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق

خیار و خلع و طلاق و تفریق مین

آج کل کے زیر بحث مسائل مین مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور وقت کی نزاکت اور موسم کی آب و ہوا نے اسکو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، آج جہالت اور بیخبری کے سبب سے مسلمان عورتون کو مذہباً محروم اور قانوناً مظلوم سمجھا جا رہا ہے، اور یہ سمجھانے کی کوشش کیجا رہی ہے کہ عورتون کے لیے اسلام کا قانون حد درجہ تنگ نظر اور سخت گیر ہے، یہ کہتے وقت یہ حضرات اُس حالت اور پوزیشن کو بھول جاتے ہین جسمین یہ جنس لطیف اسلام سے پہلے تھی، اور نہ ان کو وہ آہنی اور طلائی طوق اور زنجیرین نظر آتی ہین جنھین آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے انکی نازک گردنین پھنسی تھین، نہ صرف عرب مین بلکہ تمام دنیا کی قومون مین انکی جو حالت اور کیفیت تھی اسکو سامنے رکھکر اسلام کے قانون کو دیکھو تو اصل حقیقت کا رُخ نظر آسکیگا،

اس وقت حقوقِ نسوان کے تمام اطراف اور پہلوؤن سے بحث نہین ہے، بلکہ صرف عورت کے اس حق سے بحث ہے جسکی بنا پر وہ مرد کے ظلم و ستم سے عاجز آکر اس کے پنجہ سے رہائی پا سکے، ہندو دھرم شاستر کے رو سے یہ قطعی محال ہے کہ زن و شو کا ایک رشتہ ایکدفعہ قائم ہو جانے کے بعد پھر کسی طرح وہ منقطع ہو سکے، اسلیے عورت و مرد کے باہمی انتخاب کی انسانی غلطی اگر ہو جائے، تو اسکی تلافی عمر بھر نہین ہو سکتی، یہان تک کہ اگر موت اس رشتہ کا خاتمہ بھی کر دے تب بھی عورت کسی دوسرے مرد کا انتخاب نہین کر سکتی، اور گویا وہ اب بھی مرنے والے کی غلامی سے آزاد نہین ہے، لیکن اب خود ہندو اصلاحات کے نام سے اس قانون کو توڑنے کی فکر کر رہے ہین، عیسائی قانون مین بے وفائی کے جرم اخلاقی کے سوا اور کوئی چیز اس تعلق کا خاتمہ نہین کر سکتی، اور اس پر بھی انجیل کے صحیح حکم کی بنا پر بیوفائی کے

الشجری، سنن کبری للبیہقی اور فارابی کے چند رسائل ہین، نہایت مسرت ہے کہ دائرہ اپنی ادارت تصحیح، تحشیہ، اور خوبی و صفائی مین روز بروز ترقی کر رہا ہے، اگر یہی طرح آگے بڑھتا رہا تو شاید وہ دن دور نہین جب اہل ہندوستان اس پر فخر کر سکینگے، قابلِ طبع کتابون کے انتخاب مین پہلے سے بہت زیادہ حسنِ مذاق کا اظہار ہو رہا ہے، جمہرہ کی تصحیح مین دائرہ نے بہت کچھ صرف کیا ہے، اور یورپ اور ہندوستان کے کئی فاضلون نے اوسکو دیکھا اور صحیح کیا ہے، اسی طرح شجری کی حماسہ کی اشاعت بھی ادب عربی کی قابلِ شکر خدمت ہے، لیکن سب سے زیادہ سنن بیہقی کی اشاعت اہل علم کے لیے نوید مسرت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری ناقدردانی کے باوجود دائرہ جو علمی ذخیرہ منظر عام پر لاتا رہتا ہے، وہ نہ صرف مسلمانون پر بلکہ اسلام پر احسان ہے،

———·:·———

اسی سلسلہ مین یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے مطبوعہ رسائل اور کتب کی دوبارہ اشاعت جنکے نسخے عام طور سے ملتے ہون دائرہ کے مقصد سے خارج ہونا چاہیئے، فارابی کا جو رسالۂ صناعۃ پہلے چھپا تھا اور اب جو چند رسالے پھر چھپے ہین یہ مدت ہوئی کہ یورپ مین چھپ چکے ہین، پھر مصر مین بھی انکی نقل، رسائل فارابی کے ضمن مین چھپ چکی ہے، اسلئے انتخاب مین پہلے سے اسکی دیکھ بھال کہ یہ چیزین کہین چھپی تو نہین ہین، بہت ضروری ہے، امید کہ اہل دائرہ ہماری اس مخلصانہ گذارش کو کسی نامناسب معنی پر محمول نہ فرمائین گے،

———·:·———

دار المصنفین کی اس سال (۱۹۲۶ء) کی جدید مطبوعات مین پہلی کتاب نفسیاتِ ترغیب شائع ہوئی ہے، دوسری کتاب نٹشے ہوگی، جسمین اس مشہور جرمن حکیم کے سوانح ہین اور اس کے خیالات، مسائل اور تصنیفات پر ریویو اور تبصرہ ہے، اس حکیم کے خیالات نے جرمن قوم پر جو اثر ڈالا ہے، اور جدید فلسفہ کی تاریخ مین اوس کا جو درجہ ہے، اسکے لحاظ سے ضرورت تھی کہ اردو دان جمہور کو اس سے واقفیت کا موقع بہم پہنچایا جائے، یہ کتاب ایک جرمن فاضل گلے کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے، یہ اردو ترجمہ ہمارے فاضل عزیز مولوی سید مظفر الدین ندوی ایم اے لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی کے قلم کا رہین منت ہے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق

خیار و خلع و طلاق و تفریق مین

آج کل کے زیر بحث مسائل مین مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور وقت کی نزاکت اور موسم کی آب و ہوا نے اسکو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، آج جہالت اور بیخبری کے سبب سے مسلمان عورتون کو مذہبًا محروم اور قانونًا مظلوم سمجھا جا رہا ہے، اور یہ سمجھانے کی کوشش کیجا رہی ہے کہ عورتون کے لیے اسلام کا قانون حد درجہ تنگ نظر اور سخت گیر ہے، یہ کہتے وقت یہ حضرات اُس حالت اور پوزیشن کو بھول جاتے ہین جسمین یہ جنس لطیف اسلام سے پہلے تھی، اور نہ ان کو وہ آہنی اور طلائی طوق اور زنجیرین نظر آتی ہین جنھین آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے انکی نازک گردنین پہنے ہوئے تھین، نہ صرف عرب مین بلکہ تمام دنیا کی قومون مین انکی جو حالت اور کیفیت تھی اسکو سامنے رکھکر اسلام کے قانون کو دیکھو تو اصل حقیقت کا سُراغ لگ سکیگا،

اس وقت حقوقِ نسوان کے تمام اطراف اور پہلوؤن سے بحث نہین ہے، بلکہ صرف عورت کے اس حق سے بحث ہے جسکی بنا پر وہ مردِ کے ظلم و ستم سے عاجز آکر اس کے پنجہ سے رہائی پا سکے، ہندو دھرم شاستر کے رو سے یہ قطعی محال ہے کہ زن و شو کا ایک رشتہ ایکدفعہ قائم ہو جانے کے بعد پھر کسی طرح وہ منقطع ہو سکے، اسلیے عورت و مرد کے باہمی انتخاب کی انسانی غلطی اگر ہو جائے، تو اسکی تلافی عمر بھر نہین ہو سکتی، یہان تک کہ اگر موت اس رشتہ کا خاتمہ بھی کر دے تب بھی عورت کسی دوسرے مرد کا انتخاب نہین کر سکتی، اور گویا وہ اب بھی مرنے والے کی غلامی سے آزاد نہین ہے، لیکن اب خود ہندو اصلاحات کے نام سے اس قانون کو توڑنے کی فکر کر رہے ہین، عیسائی قانون مین بے وفائی کے جرم اخلاقی کے سوا اور کوئی چیز اس تعلق کا خاتمہ نہین کر سکتی، اور اس پر بھی انجیل کے صحیح حکم کی بنا پر بیوفائی کے

ثبوت کے بعد میاں بیوی میں تفریق تو ہو جائیگی مگر دو میں سے کوئی پھر دوسرا نیا تعلق اختیار نہیں کر سکتا،

گریہ اتنا سخت قانون تھا کہ عیسائی اس کو برداشت نہ کر سکے، چنانچہ عام طور سے بیوفائی کے ثبوت کی تفریق کے بعد عورت اور مرد دونوں کو، پھر نئے رشتۂ ازدواج کی اجازت دینی پڑی، لیکن اس عیسائی قانون کا سب سے بدتر پہلو یہ ہے کہ علٰحدگی کی خواہشمند عورت اس بات پر مجبور ہو جاتی ہو کہ وہ اپنے ظالم شوہر سے علٰحدہ ہونے کیلئے علانیہ بدکاری کا ارتکاب کرے، اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی علٰحدگی کی خواہش خواہ کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو، مگر دونوں مجبور ہیں کہ وہ علانیہ عدالت میں ایک دوسرے پر بدکاری اور بیوفائی کا الزام لگائیں، اور انگلستان میں تو عورت اپنے گناہ کی پاداش میں طلاق پا سکتی ہے، مگر مرد اپنے گناہ کا خمیازہ قانوناً اٹھانے پر مجبور نہیں ہے، کیا یہ عورت پر رحم، اور اسکی نسوانی حیثیت کا احترام ہے کہ ایسی ناموس برباد عورت، پھر کوئی نیا باعزت خاوند پا سکتی ہے،

یورپ نے جب سے تمدن کی زندگی اختیار کی ہے، اس غیر طبعی اور سخت و تنگ قانون کو دور کرنے کے لیے لگاتار کوششوں میں مصروف ہے، اور یورپ اور امریکہ کے بعض ملکوں نے بدکاری کے علاوہ جنون، حد سے زیادہ شراب خواری اور ظلم کو بھی تفریق و طلاق کے اسباب قرار دیئے ہیں، اور بعض ممالک تو اس میں بہت آگے نکل گئے ہیں، یعنی تفریط کی ایک سرحد سے نکلکر افراط آزادی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں، چنانچہ امریکہ میں عورت اور مرد دونوں کو طلاق کا مساوی حق دے دیا گیا ہے، اور بالشویک روس میں دونوں کو یہ اجازت حاصل ہے کہ صرف چند روپے محصول ادا کرکے ایک دوسرے سے ہر وقت طلاق نامہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس حد تک آزادی انسانی معاشرت کی بربادی کا پیش خیمہ ہے،

یہودی قانون ایک طرف نہایت تنگ اور دوسری طرف نہایت آزاد ہے، اس کے رو سے مرد کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے گھر سے فوراً باہر کر دے لیکن عورت کو کسی مرد سے علٰحدہ ہونے کیلئے کوئی شکل نہیں بتائی گئی ہو،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہب، بلکہ قانون نے بھی عورت کے ساتھ کوئی

انصاف نہیں برتا ہے، اور اسکی ایک دفعہ کی خود قبول کی ہوئی مصیبت کے علاج سے وہ قطعاً عاجز ہیں لیکن دنیا کے آخری ربانی پیغام اور تکمیلی دین نے مذاہب کی ان بے انصافیوں کا بھی خاتمہ کر دیا ہو اور جس طرح مرد کے لیے طلاق کی صورت تجویز کی ہے، عورت کیلئے خیار، خلع اور تفریق کی مختلف صورتیں رکھی ہیں،

خیار

عموماً نکاح کے جواز کے لیے فریقین اگر بالغ ہوں تو انکی رضامندی شرط ہے، اس بنا پر اگر کسی بالغ عورت کا نکاح کوئی ولی اسکی رضامندی کے بغیر کر دے تو وہ اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک وہ عورت اپنی رضامندی نہ ظاہر کرے، عموماً چونکہ کنواری لڑکیاں زبان سے رضامندی کے اظہار میں شرم کرتی ہیں، اسلئے ان کی خاموشی بھی رضامندی کے قائم مقام تصور کیگئی ہے، یہ مسئلہ صرف قیاس پر مبنی نہیں ہو، بلکہ خود شارع علیہ السلام نے اسکی تصریحات کی ہیں صحیحین میں ہے کہ خنسا بنت خدام ایک صحابیہ تھیں جنکا پہلے بھی نکاح ہو چکا تھا، مگر ان کا شوہر یا مر گیا تھا، یا طلاق پا چکی تھیں، ان کے باپ نے ان کا نکاح انکی رضامندی کے بغیر کر دیا، وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور واقعہ عرض کیا، آپنے اُن کا نکاح رد کر دیا، اسی طرح کتب سنن میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک کنواری لڑکی نے عدالت نبوی میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ اس کے باپ نے اسکی نارضامندی کے باوجود اس کا نکاح ایک شخص سے کر دیا، آپنے فرمایا کہ اوسکے قبول یا عدم قبول کا تمکو اختیار ہے،

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کر لیجائے، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم، وہ کیسے بولے گی، فرمایا کہ وہ پوچھنے پر چپ رہے،

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ کنواری لڑکی سے اسکی ذات کے معاملہ کی نسبت اجازت حاصل کر لی جائے اور اسکی اجازت اُسکی خاموشی ہے،

وہ عورت جس کا ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو چونکہ وہ نسبتۂ زیادہ آزاد ہوتی ہے، اس لیے اسکی خاموشی اس کی اجازت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، اسکو زبان سے اور الفاظ میں اپنے متعلق اجازت دینی شرط ہے، شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ بیوہ اور مطلقہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس کا امر نہ حاصل کر لیا جائے، نیز فرمایا کہ ایک دفعہ جس عورت کا بیاہ ہو چکا ہو وہ اپنے معاملہ میں خود مختار ہے، اور

ولی کو اس پر دباؤ کا کوئی حق حاصل نہین ہے،

البتہ فقہا کی تصریحات کی بنا پر نابالغ لڑکیون کے نکاح کر دینے کا حق جائز ولی کو ہر وقت حاصل ہے اور اس پر حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا جاتا ہے، کہ حضرت عائشہؓ چھ برس کی کمسن بچی تھین، اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا،

ایسی نابالغ لڑکیون کا نکاح اگر اون کے ولی کرین، تو کیا لڑکی کو اپنے بلوغ اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے نکاح کے منظور یا نامنظور کر دینے کا اختیار ہے؟ فقہا نے اس مین تفریق کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ اگر یہ نکاح باپ نے یا باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دادا نے کر دیا ہو تو لڑکی کو بالغ ہونے اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اس نکاح کے فسخ کرنے کا مطلق اختیار نہین، اور چار و ناچار اسکو اپنے باپ دادا کے فیصلہ کو جائز قرار دینا پڑیگا، لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح اپنے اختیار سے کیا ہو تو عین بالغ ہونے اور بلوغ کی علامت ظاہر ہونے کے بعد ہی اپنی نارضامندی کا اظہار کرنے کا اور نکاح کو فسخ کر دینے کا حق حاصل ہے، اور اگر اس وقت وہ خاموش رہ جائے، یا کوئی ایسی بات کرے جس سے اس معاملہ کے قبول کر لینے کا اشارہ پایا جائے تو پھر یہ حق باقی نہ رہے گا، یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے، امام مالک کے نزدیک نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق باپ کے علاوہ کسی اور ولی کو حاصل نہین ہے، اگر کوئی دوسرا ولی کر دے تو وہ نکاح گو لڑکی کی رضامندی ہی سے کیون نہ ہو، جائز نہ ہوگا، امام شافعی باپ کیساتھ دادا کو بھی یہ حق دیتے ہین، باپ کی ولایت مین نابالغ لڑکی کے نکاح کا جواز عموماً تمام فقہاء کا مسلک ہے[1]، اور ہر عہد مین تمام مسلمانون کا اس پر عمل رہا ہے، لیکن ائمہ سلف مین سے ابوبکر الاصم اور قاضی ابن شبرمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہین (مبسوط سرخسی ۴-۲۱۲) اونکا فتویٰ ہے کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کا حق باپ کو بھی نہین ہے، وہ بلوغ کے بعد اپنی ہی رضامندی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، نابالغ لڑکی کی اجازت حاصل کئے بغیر اس کے نکاح کے جواز پر عموماً محدثین اور فقہاء نے حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا ہے، مگر قاضی صاحب اس کو آنحضرت صلعم کی خصوصیات مین قرار دیتے ہین یعنی اسکی عام مسلمان پیروی نہین کر سکتے (نیل الاوطار شوکانی ۶-۲۰۷) حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے اس پر استدلال کرنا درحقیقت کمزور ہے، کیونکہ یہ واقعہ مکہ کا ہے جب اسلام نے قانون کی شکل اختیار نہین کی تھی، اسلئے ممکن ہے کہ یہ آغازِ اسلام کی حالت ہو اور اس وقت تک کواری لڑکیون سے اجازت حاصل کر لینے کا حکم نہین دیا گیا تھا (جلد ۹ صفحہ ...)

قاضی ابوبکر الاصم نے نابالغ لڑکون اور لڑکیون کے عدم جوازِ نکاح پر چند اور دلیلین قائم کی ہین،

۱- قرآن پاک مین یتیم یعنی بن باپ کے نابالغ لڑکون کے ولیون کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائین، اونکی موروثی جائداد و دولت ان کے سپرد نہ کیجائے، (سورہٗ نساء) تو اگر لڑکپن مین ان کی شادی جائز ہو جائے تو اس احتیاط کا جو منشائے الٰہی ہے وہ فوت ہو جائے گا،

۲- نابالغون کے لیے ولی مقرر کرنے کی ضرورت انھین چیزون مین ہے، جنکی اُن کو اس صغر سنی کی حالت مین ضرورت ہو، نابالغون کو نکاح کی کوئی ضرورت نہین، اسلیے بذریعہ ولایت کے نکاح ناجائز ہوگا،

۳- ولی کی ولایت نابالغون کے بلوغ کو پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اسلئے وہ کسی نابالغ کے لیے کوئی ایسا معاملہ طے نہین کر سکتا جسکا اثر بلوغ کے بعد بھی قائم رہے، اور چونکہ شادی بیاہ تمام عمر کا سودا ہے، اسلیے یہ معاملہ کسی ولی کی ولایت کے تحت مین نہین آسکتا،

۴- شریعت اور فطرت کو نکاح کی مشروعیت سے خاص مقاصد پیشِ نظر ہین، یعنی بقائے عصمت اور بقائے نسل، اور چونکہ نابالغی کی حالت مین یہ دونون باتین مفقود ہین، اسلیے نکاح درست نہ ہوگا،

اگرچہ ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کی یہ رائے جمہور فقہاء کے خلاف ہے، اور امام سرخسی نے مبسوط[2] مین ان مین سے ہر ایک کا جواب دیدیا ہے، اور مسلمانون کے تعامل اور صحابہ اور تابعین کے آثار سے اسکا جواز ثابت کیا ہے، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے، جسمین اُس مطلقہ لڑکی کی بھی عدت لکھی ہے جو بلوغ کی ماہانہ علامت سے ہنوز محروم ہے، عدت طلاق کو مستلزم ہے، اور طلاق کے لیے پہلے نکاح کا ثبوت ضروری ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نابالغ لڑکیون کا بھی نکاح ہو سکتا ہے، تاہم ہمنے انکی رائے اور دلیلین اسلیے نقل کر دی ہین، تاکہ معلوم ہو کہ چند علمائے اسلام اس مسئلہ مین آزادی اور حریت کی اس منزل تک بھی گئے ہین،

[2] جلد ۴ صفحہ ۲۱۲

ہندوستان مین اس مسئلہ مین اصلی دقتین یتیم لڑکون اور لڑکیون کے معاملہ مین پیش آتی ہین، کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر اولیار اپنے اپنے فائدہ کی غرض سے ایسے نابالغون کا نکاح اپنی اپنی قابو کی جگہ پر کردینا چاہتے ہین، اور اپنی ذاتی منفعت کے مقابلہ مین یتیمون کا فائدہ اور انکی جائداد کی حفاظت کا مسئلہ اون کے پیش نظر نہین رہتا، یہ واقعہ دنیا کی کوئی نئی حالت نہین ہے، دنیا ہمیشہ سے خودغرض واقع ہوئی ہے، اسلیے اسلام نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، سورہ نساء مین ہے،

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً (نساء ۱)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارہ مین تم انصاف نہ کرسکوگے تو ان کو چھوڑ کر اور عورتون سے دو دو تین تین یا چار چار نکاح کرلو، اور اگر تمکو یہ خوف ہو کہ ان مین بھی عدل نہین کرسکتے تو صرف ایک۔

حضرت عائشہؓ اسکی تفسیر مین فرماتی ہین کہ یہ آیت ان یتیم لڑکیون کے بارہ مین نازل ہوئی ہے جن کے پاس جائداد اور دولت ہوتی ہے، اور ان کے ولی نہین چاہتے کہ وہ کسی اور سے بیاہ کرین، اسلیے وہ ان سے خود نکاح کرلینا چاہتے ہین، تو فرمایا گیا کہ اگر یہ بدنیتی اور بے انصافی کا خیال تمھارے دل مین ہو تو ان سے تمھارا نکاح کرنا جائز نہین، یہ حدیث اکثر کتب صحاح و سنن مین موجود ہے قرآن پاک مین دوسری جگہ ہے؛

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْہِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَہُنَّ مَا کُتِبَ لَہُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْہُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا (نساء ۱۹)

لوگ اے پیغمبر تم سے عورتون کی نسبت حکم پوچھتے ہین کہدو کہ اللہ ان کے بارہ اور ان مین سے ان یتیم عورتون کے بارہ مین جنکی نسبت قرآن مین حکم دیا جارہا ہے، جنکو تم وہ نہین دیتے جو ان کے لیے حق لکھا گیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو اور نابالغ لڑکون کے بارہ مین بھی سوال ہے، تو یہ حکم ہے کہ تم یتیمون کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، اور نیکی کا جو کام

انھین ہدایات کی بنا پر یتیم لڑکیون کے نکاح کردینے کا مسئلہ اتنا آسان نہین ہے جتنا ہمارے ملک مین

لوگون نے سمجھ رکھا ہے، امام مالک کے نزدیک تو یتیم لڑکون اور لڑکیون کے نکاح کا اختیار کسی ولی کو قطعاً حاصل نہین ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف باپ دادا کو، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک گو درجہ بدرجہ تمام اولیار کو یہ حق حاصل ہے لیکن ایسے لڑکے اور لڑکیان جس وقت بالغ ہون اونکو اپنے نکاح کے توڑ دینے کا پورا حق حاصل ہے

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد ان کی یتیم صاحبزادی کا نکاح ان کے بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ یعنی لڑکی کے چچا نے اپنی ولایت مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کردیا، مغیرہ بن شعبہ نے لڑکی کی مان کو جاکر سمجھایا تو لڑکی نے اس نکاح کے قبول کرنے سے انکار کردیا، یہ معاملہ دربار رسالت مین پیش ہوا، لڑکی کے چچا یعنی حضرت قدامہؓ نے بہت کچھ کہا کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کردی تھی، اور مین نے بہت کچھ دیکھ بھال کے یہ شادی کی ہے، اور مغیرہ نے صرف مال کا لالچ دلاکر انکار کرادیا ہے، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ لڑکی یتیم ہے اور اسی کی رضامندی مقدم ہے، اوسکی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا، آپ کے الفاظ یہ ہین:-

ھی یتیمۃ لا تنکح الا باذنہا

یہ یتیم ہے، اسکی اجازت کے بغیر اسکا نکاح جائز نہ ہوگا،

یہ حدیث مسند احمد اور دارقطنی مین ہے، اور صاحب مجمع الزوائد کا بیان ہے کہ سند کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہین، اسی حدیث کی بنا پر امام مالک اور امام شافعی نے فتویٰ دیا، کہ یتیمون کے نکاح کا حق نہین دیا؛ علمائے احناف کہتے ہین کہ لڑکی کو بلوغ کے بعد یہ اختیار عطا ہوا، اور اس اختیار کی بنا پر اس نے اس نکاح کو باطل قرار دیا، یا یہ کہ وہ لڑکی اس وقت بالغ تھی، اسلیے اس کو یہ حق ملا، بہرحال یہ حدیث بن باپ کی نابالغ لڑکیون کے حق نکاح کو بہت اچھی طرح واضح کرتی ہے، امام مالک و شافعی اور امام ابوحنیفہ کے مسلک مین صرف اسی قدر فرق ہوگا کہ ایسی حالت مین ان دونون امامون کے نزدیک سرے سے نکاح منعقد نہ ہوگا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ منعقد تو ہوجائے گا، مگر بلوغ کے وقت ان کو اپنی نامنظوری اور نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا،

(ناتمام)

پہلوی ادب

از

جناب سید وقار احمد صاحب بی اے، جامعۂ عثمانیہ

فارسی ادب کے تین مشہور دور ہین، ایک قدیم فارسی یا ہخنشی، دوسرا ساسانی یا درمیانی، تیسرا اسلامی یا جدید فارسی،

پہلے اور تیسرے دور کے ادب مین بہت فرق ہے، برخلاف اس کے دوسرے اور تیسرے دور مین بہت کچھ تعلق ہے، تیسرے دور کے ادب کو سمجھنے کے لیے دوسرے دور کے ادب کو اچھی طرح جاننا ضروری ہے،

دوسرے یا درمیانی یا دہ زبان جو ساسانی دور مین رائج تھی اسکو پہلوی دور کہتے ہین، پارتھین (اشکانی) کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ ایرانی تھے یا تورانی، بہرحال یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ماد (میڈین) یا اشوری قوم کی طرح اجنبی نہ تھے، ان کا نشو ونما ایران ہی مین ہوا،

قومی داستان مین ان کے بہت ہی کم حالات درج ہین، فردوسی نے اپنے ضخیم شاہنامہ مین ان کو صرف ایک صفحہ دیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جاہل تھے اور ناقابل یادگار ہین، برخلاف اس کے ساسانی اس بات کا دعوی کرتے ہین کہ انھون نے قوم و مذہب کو پھر زندہ کیا جو سکندر کے حملہ کی وجہ تباہ و برباد ہو گیا تھا،

لفظ پہلوی[1] دراصل پارتھوے پارتھوی تھا مگر بعد مین پہلوی بنگیا،

پہلوی ادب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد مین سامی الفاظ ایرانی زبان مین شریک و مختلط ہوے، ہمین پہلوی ادب کے قدیم ترین آثار ابنز وہر کی داستانون اور اشکانی (اشغانی) اخیر

[1] بعض کا قول ہے کہ پہلوی دراصل بخوی (بلخی) تھا،

عہد حکومت (یعنی تیسری اور چوتھی صدی ق م) کے سکون مین ملتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی عنصر بہت قلیل رہ گیا تھا، اس قدر کہنا کافی ہے کہ پہلوی کی ایک صنف مستعمل تھی جو آرامی حروف ہجا مین لکھی جاتی تھی،

کتابات ساسانیہ

حقیقی پہلوی ادب کے قدیم ترین نمونون کا ماخذ شاہان ساسانی کے ابتدائی عہد (یعنی تیسری اور چوتھی صدی مسیحی) کے پہاڑی کتبے ہین، ان کتبون کو ماہرین السنۂ شرقیہ فلو ورشاردان، نیوبہر، کرپورٹر، اوسلی، وسٹرگارڈ خصوصاً فلاندن اور اور کوسٹ نے نقل کیا ہے، ہٹولزے اور اندریاس نے تصادیر لی ہین، دے ساسی نے اردشیر پاپکان (۲۲۶-۲۴۱) اور اس کے جانشین شاہپوہر (شاپور) (۲۴۱-۲۷۲) کا مثلث الالسنہ (تین زبانون والا) کتابات کا حل کر دیا جو نقش رستم اور نقش رجب کی ابھری ہوئی (منبت) سطح پر واقع ہین، ان کتبون مین اسماء و القاب ہین جو یونانی اور پہلوی کے دو لہجون (یعنی ساسانی پہلوی اور کلدانی پہلوی) مین کندہ کیے ہوئے ہین، دے ساسی کی تحلیل و تشریح نے اکتشاف لسانی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا چنانچہ شاہپوہر اور طاق بستان کے کتبے بھی حل کرلیے گئے جو ساسانی پہلوی مین ہین، ان مین نرسہ (۲۹۳-۳۰۲) شہپوہر دوم (۳۰۹-۳۷۹) اور شہپوہر سوم (۳۸۳-۳۸۸) کے اسماء و القاب درج ہین،

ساسانیون کے سکون پر جو قصے درج ہین ان کی تحلیل و تشریح بھی کرلیگئی، لیکن ان کتبون مین محض اسماء و القاب تھے، ہاگ ٹامس، فلاندن اور کوسے کی متفقہ کوششون نے نہایت قابل قدر مواد ہندوستان کے پارسیون سے فراہم کیا، اور ہاگ نے شہپوہر (شاپور) اول کے کتبے واقع حاجی آباد قریب اصطخر کو انتخاب کیا، یہ کتبہ دو زبانون کلدانی پہلوی اور ساسانی پہلوی مین مرقوم ہے، دو زبانون مین ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک کے اغلاق و ابہام کو دوسرے کے ذریعہ رفع کر لیا گیا،

اس کتبے کا آغاز بادشاہ شہپوہر اس کے باپ اور دادا کے اسماء و القاب سے ہوتا ہے، اس کتبے کے

ایک ثلث الفاظ کلدانی پہلوی کے اور دو ثلث ساسانی پہلوی کے ہین، اس کتبے کی تحقیق و تطبیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مین بادشاہ کی تیر اندازی کی مشق کا حال ہے، جو اعیانِ دولت کے سامنے کیگئی تھی، اور بادشاہ کا ایک فرمان مندرج ہے کہ وہان روح کے لیے نشانہ (چاندماری) تیار کیا گیا تھا اور روحانی ہاتھ نے لکھا کہ روح کے تیر چلانے کے بعد اور کوئی تیر اندازی کی جرأت نہ کرے"

ایک نہایت مکمل کتبہ ۱۳ سطرون کا نقشِ رجب کے قریب ہے جو ساسانی پہلوی مین ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آہورمزد (اہورہ مزدہ) بادشاہ کو تاج پیش کر رہا ہے،

اگر ان کتبون کی ترجمانی صحیح تصور کرلیجائے تو یہ غالباً بہرام دوم کے زمانہ کے ہین،

فارس مین دو اور کتبے جو بمقام پرسی پولیس (اصطخر) قصرِ دارا پر ہین، وہ تقریباً مکمل ہین، لیکن ان کا خط پڑھا نہین جا سکتا ہے، نول دیکی نے ان کا ذکر اپنے مضمون Bemerkungen zu den Inschriften مین کیا ہے،

وہ کتبہ جو اوپر ہے بارہ سطرون کا ہے اور نیچے کے کتبے مین گیارہ سطرین ہین، اوپر کے کتبے مین جس شاہ پور کا ذکر ہے وہ شاہ پور دوم ہے، نیچے کے بھی کتبے مین اسی بادشاہ کا حال درج ہے، اور اس کی عبارت کسی قدر پڑھی جا سکتی ہے، اس کتبہ مین بادشاہ کا نام چھ سات دفعہ آیا ہے،

اسی طرح اور بھی کتبے ہین، ان تمام کتبون سے دس ساسانی بادشاہون کے حالات معلوم ہوتے ہین، ان کتبات سے سب سے زیادہ بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر پہلوی الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم ہوگیا کیونکہ پہلوی زبان مین اعراب بالفاظ ہوتے ہین برخلاف سامی زبان کے جنکی حرکات مین اغلاط کا بہت بڑا احتمال ہے، اوپر لکھا گیا ہے کہ پہلوی کے دو اقسام ہین، (۱) کلدانی پہلوی (۲) ساسانی پہلوی، اول الذکر کا استعمال تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک رہا بعد ازان یہ متروک ہوگئی، برخلاف اس کے ساسانی پہلوی کے آثار قصص سکّی، مہری وجوہری کتبون پر اس کے بعد بھی برابر پائے جاتے ہین، لیکن اس کے

حروفِ تہجی مین تیسری صدی مسیحی سے لیکر چھٹی صدی کے اواخر تک تدریجی تغیر ہوتا گیا، یہان تک اس نے ایک نئی ہیئت اختیار کرلی جو جدید پہلوی کے نام سے موسوم ہوئی ہے،

قدیم ترین پہلوی تحریرات جو اب تک موجود ہین

فی زمانا مصر کے مدیریہ (ضلع) فیوم مین قصب البردی پر جو کثیر اور مختلف تحریرات پائی گئی ہین ان مین آٹھوین صدی مسیحی کے پہلوی کتبات بھی ہین، یہ پہلوی زبان کے نہایت قدیم نمونے ہین جو اب تک بہم پہنچے ہین،

ان تحریرون کا پڑھنا زیادہ دقت طلب نہین ہے، ذراسی مشق سے بآسانی پڑھی جا سکتی ہین، ان تحریرون مین یادداشتین اور روزانہ اخراجات کا حساب درج ہے، ان کا خط مختلف ہے،

پارسیون کے پہلوی علم ادب کا ماخذ

یہ قیاس غالب ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے اختتام سے قبل پہلوی ادب مین تمام اصناف ادبیہ موجود تھے، لیکن سلطنت کی سقیم حالت اور بعد ازان عربون کے حملہ نے اس مین رکاوٹین پیدا کردین تاہم اس کے آثار موجود ہین کہ نوین صدی عیسوی کے اختتام تک پہلوی ادب مین کتابین لکھی گئین، اس کے بعد کا دائرہ صرف دستایر تک محدود ہوگیا، انھون نے پہلوی ادب مین اضافہ کیا چنانچہ بندہشت اس زمانہ کی یادگار ہے،

گیارہوین صدی کا زمانہ وہ ہے جب کہ موجودہ فارسی کے حروفِ تہجی کا استعمال ہونے لگا تھا اور اوستا کی شرح انھین حروف مین لکھی گئی، مگر اس عہد کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ سامی الفاظ کے بجائے ایرانی الفاظ استعمال کئے جانے لگے،

چونکہ فتحِ ایران کے پارسی رفتہ رفتہ مسلمان ہونے لگے، اس لیے ان کی تعداد مین روز بروز کمی ہوتی گئی، اور دستایر کو جو مذہبی خدمت کو انجام دیتے تھے اپنی مذہبی کتابون کا محفوظ رکھنا مشکل ہوگیا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ گیارہ اور بارہ صدی عیسوی کے درمیان قدیم پہلوی ادب ضائع ہوگیا،

ایران سے جو دستایر آٹھوین صدی مسیحی مین ہندوستان چلے آئے، ان کے ساتھ مذہبی کتابین

بھی تھین گرجان تک معلوم ہوا ہے وہ کتابین بارھوین صدی مسیحی تک ضائع ہوگئین،

سنہ ۱۲۰۵ء مین ہندوستان کے پارسیون نے وندیدا کا ایک نسخہ ایران سے منگوایا اور ارتا دیراف نامک کا

ایک نسخہ سنہ ۱۲۶۹ء مین ہندوستان آیا، اسی طرح اور بھی کتابین ایران سے ہندوستان مین آتی رہین، سنہ ۱۳۲۰ء سے

سنہ ۱۳۲۵ء تک معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین بعض اہم کتابون کی نقلین بھی کی گئین،

ایران کے جو خطوط سنہ ۱۴۷۸ء کے دستیاب ہوئے ہین ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے پارسی

پہلوی زبان بالکل بھول چکے تھے اور انھون نے بہت سی باتین پھر ایرانی پارسیون سے سیکھین، اس قسم کے

خطوط جو سنہ ۱۷۶۰ء تک وصول ہوئے وہ ہندوستان کے پارسیون کی فارسی روایات مین محفوظ ہین،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانون نے ایران مین کس قدر تساہل (رواداری) سے کام لیا اور

ہندوستان کے دستاتیر کس قدر بے پروا تھے کہ انھین پھر ایرانی دستاتیر کا مرہون منت ہونا پڑا،

ایران سے ہندوستان کو فارسی کتابین برابر آتی رہین، چنانچہ بازیوشت فرمالو سنہ ۱۵۵۵ء مین آئی،

اور وسپرد اور وشتاسپ یشت کرمان سے سنہ ۱۶۲۶ء مین آئی،

اٹھارہوین صدی مسیحی مین نیرنگستان اور دین کرت سرزمین ہند مین پہنچین، اس کے بعد داتستان

دینیگ ایرانی بندہشن اور دوسری اہم کتابین اس صدی تک وصول ہوتی رہین، اس طرح اب ہندوستان

کے پارسیون کے پاس ان تمام پہلوی ادب کی کتابون کا ذخیرہ موجود ہے جن کا آج تک پتہ چل سکا ہے،

اب ہندوستان کے دستاتیر ایران کے دستاتیر سے کہین زیادہ پہلوی کو سمجھ سکتے ہین،

پس پہلوی ادب کی تین قسمین ہوسکتی ہین،

۱- اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہین،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہین، اور جنکا تعلق مذہب سے نہین ہے،

۱- اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

تعداد الفاظ تقریباً ۱۴۱۰۰۰

۱- وندیدد	۱۵- ہپ تان یشت
۲- یسنہ	۱۶- سروش یشت ہاتوخت
۳- نیرنگستان،	۱۷- سیروزہ خرد دوم
۴- وشتاسپ یشت	۱۸- سیروزہ خرد اول
۵- وس پرد	۱۹- خورشید نیایش
۶- فرہنگ اوایم اے دک	۲۰- آوان نیایش
۷- اَاُوہر مزد یشت	۲۱- آفرین گان داہمان
۸- بہرام یشت	۲۲- آفرین گان گاتھا،
۹- ہاتوخت نسک	۲۳- خورشید یشت
۱۰- اَاوگیم وَیئیت شا	۲۴- ماہ یشت
۱۱- تنی تک اوستاکِ گاسال	۲۵- یشت (کا بائیسوان قطعہ)
۱۲- اَتخش نیایش	۲۶- آفرین گانِ فرادرت گان
۱۳- ودشر گرت دینیگ کا ایک جزو	۲۷- ماہ نیایش
۱۴- آفرینگانِ گاہانبار	

. . . .

وِندِدد- اس مین تقریباً ۴۸۰۰۰ ہزار الفاظ ہین جنمین سے ۴۰۰۰ اوستا کے مقولے ہین جو

مترجمون کی طرف سے اضافہ کئے گئے ہین،

اوستا کے تحت اللفظ ترجمے کو ہم صحیح معنون مین پہلوی ادب کا نمونہ نہین کہہ سکتے کیونکہ اس قسم

ترجمہ مین مترجمون کو آزادی نہین ملتی یعنی انہین اوستا کے الفاظ کی ترتیب کے مطابق ترجمہ کرنا پڑتا ہے مگر کہین کہین انھون نے جولانی طبع دکھلائی ہے، جس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہین،

یسنہ | پہلوی یسنہ مین تقریبًا ۳۹۰۰۰ ہزار الفاظ ہین اس کا بھی ترجمہ وندیداد کے مانند تحت اللفظ ہے،

نیرنگستان | نیرنگستان مین اوستا کے تقریبًا ۳۲۰۰ اوستا کے متن اور پہلوی ترجمہ کے ۱۶۰۰۰ الفاظ اور ۲۲۰۰۰ پہلوی تفسیر کے اور ۱۸۰۰ اوستا کے مقولات کے الفاظ شامل ہین، اس کا پہلا نسخہ ہندوستان مین موبد جاماسپ ۱۷۲۰ء مین لایا، ہندوستان مین اسکی نقلین شائع ہوئین، اسکی اصل کاپی مفقود ہے، مگر اسکی صحیح نقل جاماسپ آسانے ۱۷۲۷ء مین کی، یہ ہندوستان مین سب سے زیادہ مستند مانی جاتی ہے،

فرہنگ اوم ایوک | اس مین ۱۰۰۰ اوستا کے اور ۲۲۵۰ پہلوی کے الفاظ ہین اور ۱۸۰۰ اوستا کے الفاظ کے پہلوی معنی لکھے ہین جو بعض اوقات نسکس سے مقتبس ہین، جو اب مفقود ہے، اس مین قانون اوستا کے اصطلاحات کی طویل تشریح و توجیہ بھی ہے،

اوگیم دیت شا | اس مین اوستا کے ۲۰۰ مقولات ۸۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین، جنکی تفسیر ۱۴۵۰ الفاظ مین کیگئی ہے، ان مقولات مین سے اب صرف پانچ اوستا مین موجود ہین، اس رسالہ مین اس امر کی تلقین ہے کہ موت لازمی چیز ہے لہذا اس کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے،

تشی تگ اورسنگ گاسان | اس مین ۴۰۰ اوستا کے اور ۱۰۰۰ سینہ کے پہلوی حروف شامل ہین، اس انتخاب کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی کے اثر کے فرق کو ظاہر کیا جائے، یہ کتاب چودھوین صدی عیسوی مین موجود تھی، اس مین شک نہین کہ اسکی اصلی کاپی ایران سے آئی، زمیان ہوشنگ نے ۱۷۲۱ء مین اسکی ایک کاپی یزد مین حاصل کی،

دجاکرت دینیگ | یہ کئی پہلوی تراجم اور مذہبی کتابون کا مجموعہ ہے، ان مین ۲۳۰۰ اوستا کے الفاظ ہین جنکی پہلوی مین ۹۰۰۰ الفاظ سے ترجمانی کیگئی ہے، مذہبی کتابون مین ۱۷۵۰۰ پہلوی کے الفاظ ہین جنمین سے ۱۶۰

اوستا کے مقولے ہین،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہین،

۲۸- دین کرت کتب سوم و نہم

۲۹- بوندہشن،

۳۰- داتستان دینیگ

۳۱- پہلوی دندد و کی تفسیر،

۳۲- روایت متعلق نمبر (۳۰)

۳۳- روایت ہمیت اشوہستان

۳۴- تقیۂ وِ وشر کرت دینیگ

۳۵- انتخابات ذات سپرم

۳۶- شکند گومانیگ وشار

۳۷- شایست لاشایست مع ضمیمہ

۳۸- دنیائے مَم اینوگ خرت

۳۹- رسائل (مکاتیب) مانوشت شہر

۴۰- ارتاویراف نامک

۴۱- ستایشن سی رودشک

۴۲- جاماسپ نامک

۴۳- بہمن یشت

۴۴- مائیگان یوشت فریاو

۴۵- سوالات جنکے جوابات اوستا کے ذریعہ دیئے گئے،

۴۶- اندرزش آتورپات مارسپندان مع حقیقت رودشاہ،

۴۷- پیت الانیگ،

۴۸- پندنامک وذ شورگ متر و،

۴۹- پتیت آتورپات مارسپندان

۵۰- پیدنامک زرتوشت

۵۱- اندرزش ا اوشنار داناک،

۵۲- آفرین شش گاہان بار،

۵۳- واتشنک ا اتپشند اتر پات مارسپندان

۵۴- مائیگان گدستک اباش،

۵۵- مائیگان سی رودش،

۵۶- پتیت دترگان،

۵۷- پتیت خوط،

۵۸- مائیگان ہفت امیشسپند

۵۹- نصائح مزدیسنیان

۶۰- ہدایات بہ بہدینیان،

۶۱- مائیگان ماہ فرورتین رودش خوردط

۶۲- خصائص مرد خوب نغیب
۶۳- آفرین ہفت امیشسپند
۶۴- تعلیم پدر بہ پسر،
۶۵- ستائش درون،
۶۶- آفرین ارتا فروش،
۶۷- اندرزش داناک مرط
۶۸- آشیرواد،
۶۹- آفرین میزد
۷۰- اندرزش خسرو کواتان
۷۱- تشیم درون
۷۲- تمازِ آدُہرمزد
۷۳- مقالات آتور فرہنگ وبخت آفریت
۷۴- نیرنگ بوئی داتو،
۷۵- نام ستانشنیہ
۷۶- کہنہ کے پانچ تنظمات اور دس مواعظ وتنبیہات
۷۷- آفرین درشورگان
۷۸- آفرین گاہانبار تشاشنیہ
۷۹- آمد داہرام ور دشاوند
۸۰- دارو کِ خورسندیہ
۸۱- تین علما کا بادشاہ کو جواب
۸۲- ماتیگان سی یزدان،
۸۳- ساسانی عہد مین پارسیون کا اجتماعی قانون،

دین کرت کتب سوم و نہم — اس کتاب کی تیسری جلد سے نوین جلد تک تمام جلدین ۱۶۹۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین، جو [illegible] مین بغداد مین پائی گئین، [illegible] مین ملا فیروز نے لکھا ہے کہ دین کرت یعنی "اعمال للمذہب" کا مسودہ [illegible] مین ملا بہمن ابن ملا بہرام ایران سے سورت لایا، یہ نسخہ سورت کے دستور کو مستعار دیا گیا مگر جب مدت دراز کے بعد اس نے اس کو واپس کیا تو اس کے بہت سے حصے مفقود ہوگئے، اس ناقص مسودہ سے کئی نقلین لیگئین، اس لیے ہندوستان مین جس قدر اسکی نقلین ہین سب مین نقص باقی ہے، یہ ناقص نسخہ بعد مین ملا فیروز کے قبضے مین آیا اور اب تک اس کے کتب خانہ مین موجود ہے،

دین کرت مزد پرستی کے اصول، رسوم، روایات، تاریخ اور ادب کا بڑا مجموعہ ہے،

بوندہشن — بوندہشن مین (جس سے ہندوستانی پارسی واقف ہین) ۱۳۰۰۰ الفاظ ہین، اس کو سب سے پہلے

انکوئیل ڈوپرون یورپ لے گیا اور وہان اس نے [illegible] مین اس کا فرانسیسی زبان مین ترجمہ کیا، اس کے بعد "ہاگ" نے ۱۸۵۴ء مین اس کے پہلے تین باب کا جرمانی مین ترجمہ کیا، ہیپکل نے بھی اسکے بعض اقتباسات کا ترجمہ جرمانی مین کیا، مگر "وندش من" نے ۱۸۶۳ء مین اس کا مکمل ترجمہ کیا اور اس کے نامون اور مضامین پر بہت سے مفید حواشی لکھے اس طرح اس کتاب سے تمام یورپ روشناس ہوگیا،

دانستان دینیگ — یہ پہلوی کتابون کے ذخیرہ مین دانستان دینیگ کے نام سے ملی، اس مین ۲۸۶۰۰ الفاظ ہین اس کا تعلق مذہب سے ہے، قیاس ہے کہ یہ کتاب [illegible] مین ایران سے ہندوستان مین آئی،

پہلوی روایت — پہلوی روایت جس کے ساتھ دانستان بھی ملحق ہے تقریباً ۲۶۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے، اس مین مذہبی اجتماعی اصول کی تفصیلی بحث ہے،

شکند گومانیک ودشار — یہ کتاب مذہبی جدل کے متعلق ہے، اس مین تقریباً ۱۶۷۰۰ الفاظ ہین، اس کے مصنف مرتان نے اس کتاب مین زرتشتی مذہب کے اثبات وتائید مین ملاحدہ کا، دین، اسلام اور یہودیت اور مسیحیت کی تردید اور ابطال کیا ہے،

ارتاویراف نامک — اس مین تقریباً ۸۸۰۰ الفاظ ہین، اور جنت ودوزخ کا بیان ہے، ان کو حق پرست ویراف نے ہفت روزہ خواب مین دیکھا، جو مقدرات کے باعث وقوع مین آیا تھا۔

بہمن یشت — اس کتاب مین ۲۴۰۰ الفاظ ہین، اس مین اہورمزد نے زرتشت کو ایرانی قوم اور مذہب کی آئندہ قسمت کا رسالتی بیان کیا ہے، جرمانی زبان مین اس کتاب کے بعض اقتباسات کا ترجمہ اور باقی حصہ کا خلاصہ ۱۸۶۰ء مین شائع ہوا،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہین اور جن کا تعلق مذہب سے نہین ہے،

۸۴- کارنامک ارتخشیر پاپکان
۸۵- یاتکار زریران (یادگار زرین)
۸۶- خوشرو کواتان اور اس کا خادم،
۸۷- فرہنگ پہلویگ،

۸۸ - القاب (رسائل) مکاتیب | ۹۱ - درخت اسوریگ
۸۹ - ایران زمین کے شہر | ۹۲ - شادی نامہ
۹۰ - شترنگ نامگ | ۹۳ - عجائب زمین سگستان،

کارنامک ارتخشیر پاپکان | کارنامک مین ۵۶۰۰ الفاظ ہین نولدیک نے اس کا ترجمہ جرمانی زبان مین کیا ہی،
اس کتاب مین لکھا ہے کہ ایران مین ۳۲۳ق م سکندر کی وفات کے بعد چھوٹے چھوٹے حکمرانون کی طوائف الملوکی تھی، ارتاوان سب کو مغلوب کر کے شاہنشاہ بن گیا، پاپک سرحد کا صوبہ دار تھا جس کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا ساسان جو دارا کی نسل مین تھا پاپک کا چرواہا تھا، پاپک نے خواب مین اس کا دارائی نسل سے ہونا دیکھا، پس اس نے اس کو اعلی منصب پر سرفراز کر کے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ارتخشتر رکھا جب اس نونہال کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو ارتوان (اردوان) نے اس کو طلب کیا، بادشاہ کے لڑکے سے لڑائی کی وجہ سے اس کو اصطبل مین کام کرنے کے لیے بھیجا، اتفاق سے بادشاہ کی خادمہ اس پر عاشق ہوگئی، ارتخشتر نے اس کو ترغیب دی کہ دہان سے بیش بہا جواہر لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر فارس فرار ہو جائین، اردوان نے ان کا تعاقب کیا مگر ناکام رہا، بعد ازان امراو شرفا کی تائید سے اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا،

اس کتاب مین ارتخشتر اور اس کے فرزند شاہپوہر اور معمون کے حالات جو اس کے باپ کی حکومت کے دوران مین ہوئی تھین درج ہین، آخر کار ارتخشتر نے اپنے پوتے آہوموزد کو جو ۷ سال سے چھپا ہوا تھا پہچان لیا،

فرہنگ پہلویگ | یہ پہلوی پازند کی قدیم فرہنگ ہے، اس مین ۱۳۰۰ پہلوی الفاظ ہین، اگر ضمیمون کو شمار نہ کیا جائے تو اصل مین صرف ایکہزار الفاظ رہ جاتے ہین،

پہلوی ادب کی کتابون کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود پہلوی ادب کے تباہ و برباد

[1] براؤن کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے،

ہونے کے اب تک کتنی کتابین موجود ہین موجودہ پہلوی ادب سے ہمین ساسانی دور کے بہت سے واقعات معلوم ہوتے ہین اور پارسی مذہب کے متعلق تو اچھے معلومات حاصل ہو سکتے ہین،

فارسی علم ادب کے انکشافات، اور ان کی کتابون کو حل کرنے کا فخر جرمانی علما، کو حاصل ہے، پہلوی جیسی ادق زبان کا ترجمہ کرنا کس قدر دشوار ہے، اسکی اہمیت اس سے بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اب تک صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلوی کا اس زمانہ مین کیا صحیح تلفظ ہوگا،

اَزوارشن[1] الفاظ کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا وہ کہان تک اصلیت رکھتا ہے اس کے متعلق بھی کامل یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ سامی تلفظ کو پڑھتے تھے یا نہین،

براؤن کی رائے یہ ہے کہ سامی الفاظ تو ضرور لکھے جاتے تھے لیکن پڑھنے مین ہم معنی یا مترادف ایرانی الفاظ بولے جاتے تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح انگریزی مین ہم لکھتے تو لب (ال) ہین لیکن اس کا تلفظ پونڈ کرتے ہین، اسی طرح مرد کے بجائے گبرا اور مردم کے بجائے گبرم لکھتے تھے،

اس لحاظ سے ہزوارشن (ہزوارش) کا مادہ زوار (تزویر سے) قرین قیاس معلوم ہوتا ہے،

ابھی فارسی ادب کی کتابون کے دستیاب ہونے کی بہت کچھ توقع ہے اور اس کے ترجمے کی بھی بے حد ضرورت ہے مگر پہلوی ادب کے ترجمہ مین ابہام ہونے کی وجہ سے بہت دقت پیش آتی ہے اور جو کچھ ترجمہ کیا جاتا ہے اس کو کامل یقین کے ساتھ نہین کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے، چونکہ اکثر حصے ایسے آجاتے ہین جو بہت مبہم ہوتے ہین اس لیے ان کو یا تو چھوڑ دینا یا قیاس سے کچھ نہ کچھ ترجمہ کرنا پڑتا ہے،

[1] اَزوارش زواریدن سے مشتق ہے جس کے معنی کہنہ اور فرسودہ ہونا،

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی ودیاپیٹھ کالج احمد آباد

مضمون نگار موصوف احمد آباد کے قیام کی مناسبت سے آجکل گجرات کے اسلامی دور کی تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں جسکا کام ودیاپیٹھ (گجرات قومی یونیورسٹی) نے شروع کیا ہے اور اسکے متعدد حصے کر کے اسلامی حصہ مولانا کے سپرد کیا ہے، جسکو وہ بخوبی انجام دے رہے ہیں،

"معارف"

گجرات کے پہلے گورنر کے متعلق عام تاریخوں کے مطالعہ سے جو خیال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ الماس بیگ اُلغ خان جو گجرات کا فاتح ہے، وہی وہان کا وہ ناظم (گورنر) بھی تھا جس نے تقریباً بیس برس گجرات پر حکومت کی، مرأۃ احمدی جو تاریخ گجرات کی مشہور کتاب ہے، اس نے ہر جگہ اس گورنر کا نام اُلغ خان ہی لکھا ہے؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو فاتح بھی تھا اور ناظم بھی، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"بعد فتح نہروالہ (ان ہل واڑا) اُلغ خان کے قبضہ میں حکومت گجرات سپرد ہوئی، اسی زمانہ سے گجرات میں ناظم مقرر ہو کرنے لگے، پٹن (نہروالہ) کی جامع مسجد سرخ پتھر کی تعمیر کی ہوئی اسی اُلغ خان کی ہے:"

غالباً اسی کی اتباع یادرایام کے مصنف مرحوم نے کی ہے، بلکہ ایک قدم اس سے بھی آگے رکھا ہے جو پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"قیدیون میں رانیان اور راجہ کی بیٹی دیول دیوی رانی بھی ہاتھ آئی، ان سب کو اُلغ خان نے دہلی

روانہ کر دیا اور نہروالا کو مرکز حکومت قرار دے کر خاص نہروالہ میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کر دی،[1] جو غالباً گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی، اسی اُلغ خان کو اہل گجرات الپ خان اور الف خان کے نامون سے تعبیر کرتے ہیں:"

فرشتہ نے بھی ہر جگہ اُلغ خان ہی لکھا ہے، البتہ صرف ایک جگہ وہ اس نام پر لفظ "ناظم" کا اضافہ کرتا ہے، جس سے ناظرین کو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون ایک ہی ہیں، یعنی پہلے وہ فاتح تھا، اور بعد میں وہی ناظم مقرر ہو گیا،

مرآۃ محمدی (جو اس موضوع (تاریخ گجرات) پر جدید کتاب ہے) کے مصنف نے صفحہ ۳۲ میں الماس بیگ اُلغ خان پر جو حاشیہ لکھا ہے، وہ مندرجۂ ذیل ہے۔

"تاریخ فرشتہ میں فاتح اور ناظم دونون کو اُلغ خان، اور طبقات اکبری میں دونون کو الف خان لکھا ہے، مگر مرآۃ احمدی کے مصنف نے غلطی سے فاتح اور ناظم دونون کو ایک ہی شخص جان کر "الغ خان" لکھدیا ہے، اور اسی کی تقلید اکثر انگریزی اور گجراتی مورخون نے کی ہے، منتخب التواریخ نے ناظم کا نام الپ خان لکھا ہے"

اس تحریر کے بعد صفحہ ۳۵ میں جہان پہلے ناظم گجرات کے عنوان سے باب شروع کیا ہے، فرشتہ کی پیروی میں اس نے گورنر کا جو نام تحریر کیا ہے وہ "اُلغ خان" ہی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مذکور بھی یہی بات صحیح سمجھتا ہے، اور اسی لیے اس نے دونون جگہ "اُلغ خان" تحریر کیا ہے، اور فرق کے لئے اس نے فاتح اور ناظم کا اضافہ کیا ہے،

سیر المتاخرین، نے حسب عادت اس کی طرف توجہ ہی نہین کی، اسکو یہ بھی خبر نہین کہ خود علاء الدین نے گجرات فتح کیا یا اُلغ خان نے،

[1] دیگر واقعات کی طرح یہ قیاس بھی غلط ہے، اس سے بہت پہلے بندر کھنبایت میں مسجدین تیار ہو چکی تھین، جہان عرب تاجر دوسری صدی سے مقیم تھے، (دیکھو مسعودی جلد اول و ابن بطوطہ جلد دوم)

مولوی ذکاء اللہ صاحب، اردو مین سب سے مبسوط تاریخ ہند کے مولف اپنی تاریخ جلد دوم مین ہر جگہ "الغ خان" ہی لکھتے ہین، صرف خضر خان کی شادی کے موقعہ پر الپ خان لکھا ہے، جسکی لڑکی سے خضر خان کی شادی ہوئی تھی، لیکن جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۵ پر تحریر فرماتے ہین کہ:-

"۶۹۶ھ مین اس نے (سلطان علاء الدین) گجرات کو سپاہ بسر کردگی الف خان (جسکو گجرات کے لوگ الپ خان کہتے ہین) اور نصرت خان کے بھیجی"،

آگے چل کر لکھتے ہین:

"کہ جب نہروالا فتح ہوگیا اور راجہ کرن باگھیلہ شکست پاکر بھاگ گیا تو الف خان ملک کا حاکم مقرر ہوا"

ان دونون متضاد بیانون سے معلوم ہوا کہ وہ اصل حقیقت سے باخبر نہ تھے، اور بلا تحقیق جو ملا اوسکو نقل کر دیا،

صوفی پنڈدی صاحب نے جو تاریخ ہند اپنے نام سے لکھی، یا لکھوائی ہے، اس مین ہر جگہ اُلغ خان ہی لکھا ہے، حالانکہ اس مقام کا کل حصہ ضیائے برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ ہے، اور اس مین اُن دونون نامون مین فرق موجود ہے،

امیر خسرو نے مثنوی عشقیہ مین حملۂ گجرات کے وقت الغ خان کا نام لیا ہے، اور خضر خان کی شادی کے وقت "الپ خان" کا ذکر کیا، اور ایک مقام پر الف خان بھی لکھا ہے، جس کے متعلق یہ خیال بالکل درست ہے کہ الف خان درحقیقت الپ خان کی تصحیف ہے، چنانچہ ضیا برنی نے عہدہ دارون کی جو فہرست دی ہے، اس مین الف خان کوئی شخص نہین ہے، اسی طرح اکثر معتبر تاریخین بھی اس نام سے خالی ہین،

مندرجہ بالا سطور سے بین طور پر یہ ظاہر نہ ہوسکا کہ فاتح اور ناظم دونون کی شخصیت دو ہے یا ایک ہی، اس لیے اس اشکال کے حل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ دوسری کتابون سے مدد لیجائے،

گجرات کی عربی تاریخ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ کے مصنف محمد بن عمر المکی نے ۶۹۶ھ کے تحت مین لکھا ہے،

وصل اُلغ خان الی نہر والہ وکانت للرائے کرن واستولی علیہا،

اُلغ خان نہروالا (انہل واڑا) پہنچا جہان کا حاکم راجہ کرن تھا قابض ہوگیا،

پھر ایک دوسرے مقام پر اسی سنہ کے ماتحت لکھتا ہے،

وبیانہا جہز علاء الدین، اُلغ خان ونصرت خان الی گجرات فلما کانا بالقرب من نہروالہ[1] خرج الیہما صاحبہا الرائے کرن، وکانت بینہم شدۃ، انجلت بہزیمۃ الرائے الی دیوگیر واستاسر اہلہ[1]

اور اس کا بیان یہ ہے کہ علاء الدین نے اُلغ خان اور نصرت خان کو گجرات ساز و سامان کے ساتھ بھیجا جب دونون نہروالا کے قریب پہنچے تو راجہ کرن ان کے مقابلہ کے لئے نکلا، طرفین سے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کرن شکست کھا کر دیوگڈھ چلاگیا، اور اسکا خاندان گرفتار ہوگیا،

اس کے بعد لکھتا ہے،

سلک اُلغ خان طریقا الی دہلی بما معہما من غنائم گجرات وعائلۃ الرائے کرن ومنہا زوجتہ،

اُلغ خان دہلی کی طرف چلا، اور ان دونون (الغ خان ونصرت خان) کے ساتھ گجرات کے لوٹ کا مال تھا، اور راجہ کرن کا خاندان جس مین اسکی رانی بھی تھی،

پھر جلد ثانی کے صفحہ ۷۹۱ مین لکھتا ہے،

الی ان قال یوما وعندہ اُلغ خان وظفرخان ونصرت خان والپ خان،

یہان تک کہ ایک دن علاء الدین نے کہا، اور اس کے پاس اُلغ خان، اور نصرت خان، ظفر خان، اور الپ خان تھے،

ایک دوسرے مقام پر ۶۹۹ھ کے تحت حملہ رنتھنبور کے متعلق بحوالہ تاریخ حسام خان تحریر کرتا ہے،

تجہز اُلغ خان ونزل بظاہر بیانہ، وبلغ ہمیر دیو الرائے ذلک،

اُلغ خان تیار ہوکر بیانہ کے سامنے اترا اور یہ خبر راجہ ہمیر دیو کو پہنچی،

[1] ظفر الوالہ جلد ثانی ص ۷۸۹،

اسی سال جبکہ قلعۂ ناگور فتح ہوگیا ہے تو علاء الدین نے اس قلعہ کو اُلغ خان کو دے دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

قال المورخ وبعد جد وجهد كان الفتح لعلاء الدين وظفر بالرائے هنبیر دیو (همیر دیو) وبمن اوى هم من المغل وقتلهم جميعا، واعطى اخاه القلعة وما فيها، والولاية[1]

مورخ کہتا ہے کہ بڑی کوشش کے بعد فتح علاء الدین کی ہوئی اور راجہ ہمیر دیو نے شکست پائی، وہ خود اور مغلون مین سے جو لوگ اس کے پاس پناہ گزین تھے سب گرفتار ہوکر قتل کیے گئے، اور سلطان نے اپنے بھائی کو وہ قلعہ مع تمام سامان کے اور پورا صوبہ اس کے حوالہ کیا،

آگے چلکر صفحہ ۸۱۳ مین اسی کی پھر تکرار کرتا ہے :

والتم بجاد بجانبها وما يليها من الولاية وحبابن لاخيه الغ خان، ورجع الى دهلی وكان الفتح فى الثالث من ذيقعدہ سنه سبع ماية - (۷۰۰ھ)

علاء الدین نے اپنے بھائی اُلغ خان کو وہ قلعہ اور جو کچھ اس قلعہ مین تھا مع مضافات صوبہ انعام دے کر دہلی لوٹا اور یہ فتح تیسری ذیقعدہ ۷۰۰ھ کو ہوئی،

اُلغ خان کے متعلق تمام حالات لکھکر اب الپ خان کے متعلق لکھتا ہے، کیونکہ نصرت، اور ظفر خان کے بابت وہ پہلے لکھ چکا ہے،

وسياتى ما كان منه، بالپ خان فى مرض موته،

اور علاء الدین کے مرض موت مین جو واقعہ الپ خان کے متعلق ہوا وہ آگے آئیگا،

اور صفحہ ۸۲۶ مین ہے،

واتفق بينه وبين الپ خان اخى محبوبته ماهرو من العداوة ما كان بها خراب

سلطان کی محبوبہ (زوجہ) ماہرو بیگم کے بھائی الپ خان اور ملک کافور کے درمیان عداوت پیدا ہوگئی، اور اسی

---

[1] ظفر الوالہ جلد دوم صفحہ ۸۰۷

الملك العلائى، واتناء ذالك ابتلى علاء الدين بعلة الاستسقاء وكان به كل يوم فى ازدياد وكافور والپ خان فى نقيض ولكن كان كافور فى نيابة ديوگير والپ خان فى نيابة گجرات،

علاء الدین کے ملک کی تباہی رونما ہوئی، اور اسی درمیان علاء الدین مرض استسقاء مین مبتلا ہوگیا، اور دن بدن مرض ترقی پذیر تھا، اور کافور اور الپ خان ایک دوسرے سے برسر پیکار، لیکن کافور دکن کا گورنر اور الپ خان گجرات کا گورنر تھا،

چند سطور کے بعد لکھتا ہے،

فلما حضر كافور وراٰه فى اعراض عن خضر خان والحرم، سعى فى قتل الپ خان بما عرف من تغيير مزاجه،

پس جب کافور آیا اور علاء الدین کو خضر خان اور بیوی سے ناراض پایا، تو علاء الدین کے تغیر مزاج کے سبب الپ خان کے قتل مین جد و جہد کرنے لگا،

پھر اس کے آگے ہے،

وبلغ خبر قتل الپ خان من بگجرات من اتباعه فخرجوا من الطاعة وشاعت الفتنة،

اور جب الپ خان کے قتل کی خبر گجرات مین پہنچی، تو اس کے کارندے جو گجرات مین تھے باغی ہوگئے، اور فتنہ ہر طرف پھیل گیا،

اس بیان سے آپ کو صاف معلوم ہوگیا کہ الغ خان اور الپ خان دو الگ آدمی ہین، البتہ امیر خسرو کے الف خان کی طرح اس کتاب مین بھی دو جگہ بجائے الپ خان کے اُلغ خان آگیا ہے، جس کے متعلق آخر مین انشاء اللہ عرض کرون گا،

اسی مورخ کا ہمعصر عبد القادر بدایونی ہے، جس نے بہت زیادہ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف کردیا ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے عنوان سے لکھتا ہے،

در بست ودوم ذی حجه سنه خمس وتسعين وستماية

۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ مین اپنے بھائی الماس بیگ کے

(۶۹۵) باتفاق برادر خویش الماس بیگ ولوائے سلطنت دہلی برافراشت و برادر الغ بیگ خان و سنجر خسر پورۂ خود را کہ میر مجلس بود "الپ خان" و ملک نصرت جلیسری را نصرت خان، و ملک بدر الدین ظفر خان خطاب دادہ در صحرائے سیری نزول نمودہ[1]،

مشورہ سے دہلی کی سلطنت کا جھنڈا کھڑا کیا، اسکو (الماس بیگ) الغ بیگ خان، اور اپنے لڑکے کے سسر سنجر کو جو میر مجلس تھا الپ خان کا، اور ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان اور ملک بدر الدین کو ظفر خان کا خطاب دیکر سیری (دہلی) کے میدان مین قیام کیا،

اس عبارت سے مندرجۂ ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی کا نام الماس بیگ تھا، اور اسکو خطاب الغ خان دیا گیا، علاء الدین کے لڑکے (خضر خان) کے سسر کا نام سنجر تھا، اسکو خطاب الپ خان کا دیا گیا، یہ شخص اس وقت مجلس کے عہدۂ صدارت پر ممتاز تھا،

اسی کے ساتھ ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان، اور ملک بدر الدین کو ظفر خان کا خطاب ملا،

پھر چند سطور کے بعد تحریر کرتا ہے کہ،

در محرم سنہ ستہ و تسعین و ستمائۃ (۶۹۶) الغ خان والپ خان را بر سر ارکلی خان و سلطان رکن الدین نامزد کرد

محرم ۶۹۶ھ مین الغ خان اور الپ خان کو ارکلی خان اور سلطان رکن الدین کے لیے مقرر کیا،

۶۹۸ھ کے تحت لکھا ہے،

الغ خان را با عساکر قاہرہ در ولایت گجرات بر سر راے کرن کہ سی ہزار سوار و ہشتاد ہزار پیادہ و سی زنجیر پیل داشت تعیین فرمود، و الغ خان نہروالا را بعد از ہزیمت یافتن راے کرن نہب و غارت کردہ تعاقب او نمود،

الغ خان کو ایک بڑی فوج کے ساتھ صوبہ گجرات مین راجہ کرن باگھیلہ کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا، جس کے پاس تیس ہزار سوار اور اسی ہزار پیادہ اور تیس زنجیر ہاتھی تھے، اور الغ خان نے راجہ کرن کی شکست کے بعد نہروالا کو لوٹ کر اسکا تعاقب کیا

[1] بدایونی ج ا، ص ۱۸۲

اسی سلسلہ مین الغ خان کی واپسی گجرات کے متعلق اس فساد کا ذکر کر کے جو جالور کے مقام پر لشکریون نے برپا کیا تھا، آگے لکھتا ہے،

و الغ خان بکوچ متواتر بحضرت دہلی رفت،

اور الغ خان پے درپے کوچ کرتا ہوا دہلی گیا،

پھر لکھتا ہے، کہ

و ولایت جھاین در تصرف الغ خان سپردہ قصد چتور نمود،

اور جھاین کا علاقہ الغ خان کے سپرد کر کے خود چتوڑ کی طرف کا ارادہ کیا،

رنتھنبور کے قلعہ کے محاصرہ کے وقت دہلی مین جو فساد حاجی مولا نے کیا تھا، اس کے فرو ہونے کے بعد الغ خان کو انتظام کے لئے دہلی بھیجا گیا ہے، جہان اس نے اپنی سیاست سے امن قائم کر دیا ہے، اسکے متعلق بدایونی ج ا ص ۱۹۲ مین لکھتا ہے،

و سلطان الغ خان را بہ دہلی نامزد فرمود، تا جماعت را کہ درین فتنہ متفق بودند پیروی نمودہ بمعرض تلف درآورد،

اور سلطان نے الغ خان کو دہلی جانے کے لیے نامزد کیا تاکہ اس جماعت کو جو اس بلوہ مین شریک تھی اسکو کافی سزا دے کر برباد کر دے،

اس کے صلے مین سلطان رنتھنبور کی ولایت اس کی جاگیر مین مقرر کرتا ہے،

و سلطان قلعہ رنتھنبور را با ولایت در جاگیر او مقرر فرمودہ بازگشت،

اور سلطان قلعہ رنتھنبور کو مع علاقجات کے اس کی (الغ خان) جاگیر مین مقرر کر کے واپس ہو گیا،

اس کے بعد پھر کوئی تذکرہ الغ خان کا نہین ہوتا ہے، بلکہ اب الپ خان کا ذکر کرتا ہے جس سے ملک کافور عداوت رکھتا تھا، کیونکہ کافور چاہتا ہے کہ تمام طاقت ور امرا اور وارثان سلطنت کا کانٹا نکال کر خود تخت شاہی حاصل کرے، اس سے علاء الدین کو برانگیختہ کرنے کے واسطے وہ الپ خان اور خضر خان کی شکایت کرتا ہے، اور بدگمان کرانے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بدایونی مورخ

صفحہ ۱۹۶ جلد اول مین تحریر کرتا ہے،

ملک نائب آمدن خضرخان را بجد آب و تاب بہ سلطان باز نمود و گفت، کہ الپ خان از گجرات آمدہ بہ تدبیر و دور اندیشی در کار ملک و طمع نیابت و وکالت خود خواہرزادہ را طلبیدہ،

اور ملک نائب نے خضرخان کے آنے کو بڑے آب و تاب کے ساتھ دکھلا کر کہا کہ گجرات سے اگر الپ خان نے ملکی امور کے لیے دور اندیشی سے، اور اپنی نیابت اور وکالت کے طمع سے، اپنے بھانجے (خضرخان) کو بلایا ہے،

اس کے بعد الپ خان کے قتل کے متعلق لکھتا ہے،

و این سخنان را راست شمردہ در حال بہ سیاست الپ خان حکم فرمود و آن بے چارہ را ملک نائب و ملک کمال الدین گرگ چو گوسپند سلیم گرفتہ، اندرون قصر پادشاہی پارہ پارہ کردند،

ان باتون کو سچ سمجھ کر فوراً الپ خان کے متعلق سیاست کا حکم صادر کیا اور اس بے چارہ کو ملک نائب اور کمال الدین گرگ نے بکری کی طرح قصر بادشاہی کے اندر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا،

اب اس کے بعد خضرخان کو پایہ تخت سے دور بھیجدینے کے متعلق کہتا ہے:-

کہ خضرخان چون از کشتن خال خویش ہراس یافتہ مناسب نیست کہ بجائے خود بر دہ، فرمان شد، تا بجہت مصالح امور ملکی چند روز بجانب امروہہ رفتہ بسر برد،

چونکہ خضرخان، اپنے ماموں کے مارے جانے سے ڈر گیا ہے اسلیے مناسب نہین ہے کہ اسکو اس طرح چھوڑ دیا جائے، حکم ہوا، کہ چند دن ملکی مصلحت کے بنا پر امروہہ مین رہے،

ضیاء برنی جو گویا چشم دید گواہ ہے اس نے اپنی تاریخ مین ہر جگہ اسکا خیال رکھا ہے، چنانچہ ناظم گجرات کے متعلق وہ ہر جگہ الپ خان استعمال کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

و او را (ملک نائب کافور) و الپ خان کہ خسر دیگے خضرخان بود، عداوت جانی افتاد،

اور ملک نائب کافور اور الپ خان مین جو خضرخان کا خسر تھا، جانی دشمنی پیدا ہو گئی،

پھر دوسری جگہ تحریر کرتا ہے کہ:-

و ملک نائب را از دیوگیر (دیوگڈہ یا دولت آباد) و الپ خان را از گجرات در شہر طلبیدہ،

اور ملک نائب کافور کو دیوگڈھ سے اور الپ خان کو گجرات سے شہر (دہلی) مین بلالیا،

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ،

و بے ہیچ جرمے و خیانتے الپ خان را از سلطان علاء الدین بکشانید، و خضرخان را بند کنانید، و در گوالیار فرستاد، و مادر خضرخان را از کوشک لعل اندازانید و ہم در روز قتل الپ خان، و جلاو بند خضرخان خانمان سلطان علاء الدین بر افتاد،

اور بغیر کسی جرم و بددیانتی کے الپ خان کو سلطان علاء الدین کے ذریعہ مروا ڈالا، اور خضرخان کو قید کرا کر گوالیار مین بھجوایا، اور خضرخان کی مان کو کوشک لعل (لال محل یا لال قلعہ) سے باہر نکلوایا، اور اسی الپ خان کے قتل اور خضرخان کی جلاوطنی و قید کے دن علاء الدین کے خاندان کی بنیاد متزلزل ہو گئی،

لیکن جہان جہان فاتحِ گجرات کا ذکر کرتا ہے وہان وہ اُلغ خان لکھتا ہے،

در اوائلِ سال سوم جلوس علائی، اُلغ خان و نصرت خان با امرا و سرلشکران و حشم بسیار جانبِ گجرات لشکر کشیدند،

تخت نشینی علاء الدین کے تیسرے سال مین اُلغ خان اور نصرت خان نے امرا اور سرداران لشکر کو لے کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گجرات پر لشکر کشی کی،

دوسری جگہ لکھتا ہے

با نہب و تاراج گجرات اُلغ خان و نصرت خان با غنائم بسیار مراجعت کردند،

گجرات کو لوٹ مار کر اُلغ خان اور نصرت خان لوٹ کے بیشمار دولت کے ساتھ لوٹے،

آگے چل کر پھر لکھتا ہے،

و اُلغ خان و نصرت خان با مال و پیل و بردہ و غنائمے کہ از نہب گجرات بدست آمدہ بود در دہلی آمدند،

اُلغ خان اور نصرت خان ہاتھی، غلام، اور ان تمام مال و دولت کو لیکر جو گجرات کی لوٹ مین ہاتھ آئی تھی دہلی آئے،

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے:-

وہم درین سال کہ الغ خان و نصرت خان در گجرات نامزد شدہ بودند ظفر خان در سیوستان نامزد شد	اور اسی سال مین کہ الغ خان اور نصرت خان گجرات بھیجے گئے ظفر خان سیوستان کے لیے نامزد ہوا،

ضیاء برنی[۱] نے جہان امراء و عہدہ داران سلطنت کی فہرست لکھی ہے وہان بھی الگ الگ نام لکھے،

الغ خان الماس بیگ برادر سلطان، ظفر خان، عرض ممالک

نصرت خان، وزیر الپ خان، امیر ملتان

اس واقعہ کے تقریباً بیس برس بعد (۷۳۴ھ) مغرب کا مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ آتا ہے، وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہوا لکھتا ہے،

"پھر بادشاہ بیمار ہوگیا، اسکی بڑی ملکہ خضر خان کی مان تھی، اس کا نام ماہک تھا، اس ملکہ کا ایک بھائی تھا، اس کا نام سنجر تھا، اس نے بھائی سے قسم لی، کہ وہ اس کے بیٹے خضر خان کو بادشاہ بنوانے مین کوشش کرے گا۔ . . . . . ملک کافور نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے، بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آوے، اور مین اُسکو خلعت دون اور وہ پہننے لگے تو تم اسکی مشکین باندھکر نیچے گرا لیجو، اور اس کو مار ڈالیو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا . . . . . جب اس کو (خضر خان) معلوم ہوا، اس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا، اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ الخ[۲]"

ان شواہد سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ الغ خان اور الپ خان دو الگ آدمی تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الپ خان ملکہ جہان ماہک بیگم کا بھائی تھا، اور خضر خان کا ماموں، اور اسی الپ خان کی لڑکی سے خضر خان کی پہلی شادی ہوئی، اور یہی الپ خان ہے جسکو علاء الدین نے گجرات سے علالت کے وقت (مرض الموت مین) مشورہ کی غرض سے بلایا تھا،

[۱] ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ بیان علاء الدین خلجی، [۲] ابن بطوطہ جلد ۲ باب ۴ فصل ۹

نفسیاتِ شناخت

(۲)

از پروفیسر معتضد ولی الرحمن صاحب ایم اے معلم نفسیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

شناخت کی تمام بحث مین بلاواسطہ شناخت متنازع فیہ ہے، ہمنے اوپر کہا ہے کہ اس نوع کی شناخت مین ہم ایک شخص کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہین، اب یہان سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ شناخت کس طرح ہوتی ہے؟ اسکی دو صورتین ہوسکتی ہین، اوّل تو یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھین، اور حافظ کے ذریعہ سے اسکی ایک تمثیل ذہن مین قائم کرین، اور اس موجودہ احضار کا اس تمثال سے مقابلہ کرین، اور دونون مین مشابہت کی وجہ سے اس شخص کو پہچان لین، دوسری صورت یہ ہے، کہ یہ شناخت اس تمام عمل کے بغیر واقع ہو، یعنی یہ کہ ہم دیکھنے کے ساتھ ہی اس شخص کو پہچان لین، مقدم الذکر خیال پروفیسر ہفڈنگ کی حمایت مین ہے، اور مؤخر الذکر پر ماہرین نفسیات کا بالعموم اتفاق ہے، لیکن حال کے ماہرین مین سے پروفیسر کلپے اور پروفیسر جیمس نے پروفیسر ہفڈنگ کی بڑی شد ومد سے مخالفت کی ہے، کلپے، جیمس اور ان کے ہم خیال مصنفین کی رائے ہے، کہ جن احساسات و احضارات کو ہم بلاواسطہ شناخت کر لیتے ہین، ان کے ساتھ ایک وصف "معلومیت" کا ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے انکی براہ راست شناخت ممکن ہوجاتی ہے،

پروفیسر ہفڈنگ کا خیال ہے، کہ اس قسم کی فوری اور بلاواسطہ شناخت مین ذہنی عمل اس طرح کا ہوتا ہے، کہ ہم ایک شخص زید کو دیکھتے ہین، یہ ہم کو مانوس اس وقت معلوم ہوتا ہے جب اسکی وجہ سے ہمارے ذہن مین اس کی گذشتہ ذات کی ایک تصویر پیدا ہوتی ہے، اگر یہ تصویر پیدا نہین ہوتی، تو یہ شخص اجنبی معلوم ہوتا ہے، یعنی کہ مانوسیت کی کیفیت دماغ مین دو مشابہ اعمال کے انضمام و امتزاج سے پیدا ہوتی ہے، اس خاص مثال مین یہ کیفیت ایک شخص کے ادراک اور اسکی ذہنی تصویر کے دو اعمال کے امتزاج کا نتیجہ ہوتی ہے، جس صورت مین یہ امتزاج نہین ہوتا، وہان مانوسیت کا احساس بھی نہین ہوتا، لہذا شناخت غائب ہوجاتی ہے، استدلال اس کا یہ ہے

کہ اگر ہم کسی شخص، یا چیز کی شناخت بلا استلزام خیالات کے احیا کے ہوتی ہے، تو آخر اسکی توجیہہ کیا ہوگی؟ اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس قسم کی شناخت مین تلازمی اعمال کو دخل نہین ہوتا، لیکن اس عمل کی غیر موجودگی مین بھی چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، اگرچہ ہم یہ معلوم نہین کر سکتے، کہ ہم نے اس کو کہان اور کس وقت دیکھا تھا، اب اگر اس مین تلازمی اعمال داخل نہین ہین تو شناخت، یا مانوسیت، کا احساس آخر کس طرح پیدا ہوتا ہے، اسکی کوئی نہ کوئی علت ہونی چاہیئے، دوسرا مطلب یہ ہے، کہ ہم کو یہ احساس ہوجائے، کہ یہ ہمارے تجربے مین آچکی چز یعنی یہ کہ اس وقت کا ادراک، اور کسی گذشتہ وقت کا ادراک دونون ایک ہی ہین، ان دونون ادراکات کی عینیت کو ہم اس وقت تک معلوم نہین کر سکتے جبتک کہ ان کا مقابلہ نہ ہو، اسی مقابلہ کے لیے ہم اس چیز کے گذشتہ ادراک کا تصویر کی صورت مین احیا کرتے ہین، لہذا موجودہ ادراک، اور گذشتہ ادراک کی تصویر، دونون ملکر مانوسیت کی کیفیت پیدا کرتے ہین، یعنی یہ کہ ہم اسکی شناخت کر لیتے ہین،

ہفڈنگ کا یہ نظریہ اور استدلال بہت دلکش معلوم ہوتا ہے، لیکن جب ہم مطالعۂ باطن کی طرف مراجعہ کرکے اس قسم کی شناخت کی ماہیت و نوعیت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہین، تو ہفڈنگ کے نظریہ کی تصدیق نہین ہوتی، بلاواسطہ شناخت مین ہم باوجود غور و خوض کے اس قسم کی تصویر کو منکشف کرنے مین کامیاب نہین ہوتے، لیکن پھر سوال ہوتا ہے، کہ اگر یہ تصویر نہین ہوتی، تو آخر شناخت کس طرح واقع ہوتی ہے، اسکا جواب مطالعۂ باطن یہ دیتا ہے کہ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے، کہ وہ چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ اسکی دیگر صفات کے ساتھ ایک صفت مانوسیت کی شامل ہو جاتی ہے، اسی کی وجہ سے ہم براہ راست اسکو شناخت کر لیتے ہین، اور ہم کو کسی متلازم خیال کی ضرورت نہین ہوتی، مانوسیت کا یہ کمال ان باتون پر مبنی ہوتا ہے،

(۱) یہ کہ مانوس ارتسامات حافظہ کی تشکیل، مرکزی تہیج کو پیدا کرنے مین خاص طور پر موثر ہوتے ہین، اور (۲) یہ کہ ان کی وجہ سے بالعموم ایک مخصوص کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہے، جس مین خوشگوار حسیت اور اس حسیت کے عضوی احساسات بھی شامل ہوتے ہین، اب ان کی تشریح کرینگے،

(۱) یہ ثابت کرنے کے لیے کسی طویل استدلال کی ضرورت نہین، کہ معلومہ اشیا، مجہولہ اشیا کی بہ نسبت مرکزی تہیج کو پیدا کرنے مین زیادہ موثر ہوتی ہین، اور یہ کہ ان دونون کی یہ تاثیر مختلف بھی ہوتی ہے، معلومہ اشیا بہت جلد ہی مختلف مقامی، مکانی، تعلقی وغیرہ قسم کے تصورات پیدا کرتی ہین، ہم نہایت آسانی کے ساتھ ان تصورات اور شے مدرک کے ہر قسم کے تعلقات کو معلوم کر لیتے ہین، ان کے مقابلہ مین مجہولہ اشیا یکہ و تنہا رہتی ہین، اگر ہم انکو اپنے موجودہ ذہنی کوائف کے ساتھ متعلق کرنا چاہتے ہین، تو مقابلہ وغیرہ مختلف اعمال کی ضرورت پڑتی ہے، یہ سچ ہے کہ ترقی یافتہ شعور کے لیے کوئی شے ایسی نہین، جو بالکل مجہول ہو، ایک ارتسام، یا احضار کسی قدر نیا کیون نہ ہو، اس پر کوئی نہ کوئی تصور قابل اطلاق ہوگا، نفسیات کی زبان مین اسے اس طرح بیان کیا جائیگا کہ ہر احساس سے کسی نہ کسی قسم کا خیال پیدا ہونا لازمی ہے، لیکن شناخت اس طرح کی عام تعیین کے ہم معنی نہین ہے اس مین ایک مخصوص حکم لگایا جاتا ہے، کہ یہ موجودہ ارتسام کسی گذشتہ موقعہ پر تجربہ مین آچکا ہے، اب اگر یہ سچ ہے، کہ معلومہ اشیا کی وجہ سے مرکزی تہیجات زیادہ آسانی کے ساتھ پیدا ہوتے ہین، تو ظاہر ہے، کہ بلاواسطہ اور فوری شناخت کی توجیہہ کیلئے ہم کو کسی قسم کی تصویر کی ضرورت نہین، اس قسم کی تصویر کی ضرورت وہان پڑے گی، جہان یہ مرکزی تہیجات پیدا نہ ہون، یا مشکل سے پیدا ہون، یعنی یہ کہ وہ اشیا، جو ان کا باعث ہو رہی ہین، مجہول ہون، پھر اسکے ساتھ اس نفسیاتی حقیقت کو بھی شامل کیجیے کہ کسی چیز کی عام شکل و صورت، اور عام خصوصیات کا احیا آسان ہوا کرتا ہے، بہ نسبت اسکی تفاصیل کے احیا کے، ہم نہایت آسانی کے ساتھ بتا سکتے ہین، کہ فلان چیز کا عام نقشہ و خاکہ کس طرح کا ہے، لیکن اگر ہم سے اسکی تفاصیل دریافت کیجائین، تو دقت کا سامنا ہوتا ہے، اشعار کے عام معنی تو ہم کو یاد رہتے ہین، لیکن انکے الفاظ ہمارے ذہن سے خارج ہو جاتے ہین، بلاواسطہ شناخت مین بھی چونکہ اسی کی ایک عمومی اور کلی تصدیق ہوتی ہے، لہذا یہان بھی اس کے احیا کے لیے کسی خاص تصویر، یا تمثال کی ضرورت لاحق نہین ہوتی، شناخت کی اس صورت مین حکم صرف یہ لگایا جاتا ہے کہ "یہ معلوم ہے"، اس مین کسی قسم کی کوئی تخصیص نہین کیجاتی، کہ معلوم ہے، تو کیون؟ یا یہ کہ گذشتہ

معارف

تجربہ مین یہ علم کہان اور کس وقت حاصل ہوا تھا؟ وغیرہ، ان تمام خصوصیات کی موجودگی کے باوصف اگر ہم اس شناخت کی توجیہہ کے لیے کسی تصویر وتمثال کی طرف رجوع کرین تو پراگندگیِ خاطر کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا،

۲۔ اس کے علاوہ ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مانوس اشیار کے ادراک سے جو جذبی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ غیر مانوس اشیار کی پیدا کردہ کیفیت جذبی سے مختلف ہوا کرتی ہے، مانوس اشیار لازمی طور پر ایک قسم کی انبساطی اور انشراحی کیفیت کا باعث ہوتی ہین، ان کے مقابلہ مین غیر مانوس اشیا بعض بعض صورتون مین تو انقباضی حالت پیدا کرتی ہین، وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر ایک ارتسام جاندار جسم مین ایک خاص قسم کے ردِ عمل کا ہیج بنتا ہے یعنی یہ کہ اس ارتسام سے اس جسم مین مخصوص تغیرات و اعمال پیدا ہوتے ہین، اب ایک مانوس ارتسام سے بعینہ وہی احساسی اور حرکی ردِ عمل پیدا ہوتا ہے، جو گذشتہ تجربے مین ہوا تھا، اور جسکی ہم نے اس وقت اچھی طرح جانچ کر لی تھی، دوسرے الفاظ مین مانوس ارتسام سے گذشتہ حرکی و احساسی ردِ اعمال کا فقط احیا ہوتا ہے، اور اس لئے ان کے واقع ہونے مین کسی قسم کی کوئی چیز یا بات مانع نہین آتی، اور ہماری دماغی فعلیت بلاروک ٹوک ہوتی ہے، اس کے مقابلہ مین غیر مانوس ارتسام کے ساتھ چونکہ کوئی احساسی و حرکی ردِ عمل متعلق ہی نہین ہوتا، لہذا اس صورت مین ہم کو ان ردِ اعمال کو ایجاد کرنا پڑتا ہے، یعنی یہ کہ ہماری دماغی فعلیت اس سہولت و سرعت کے ساتھ نہین ہوتی، جیسی کہ مانوس ارتسام کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، حیاتیات کا دعوی ہے کہ دماغ کی بلا مزاحمت فعلیت خوشگواری اور انبساط کی مترادف ہے، اور اگر یہ فعلیت بلا مزاحمت نہین ہوتی، تو ناگواری اور انقباض لازمی نتیجہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مانوس اشیار لازمی انبساطی و انشراحی کیفیت پیدا کرتی ہین، اور غیر مانوس اشیار انقباضی کیفیت، اس تمام کو اگر ہم پیش نظر رکھین، تو کہا جا سکتا ہے، کہ قابل شناخت ارتسام حیات اور عضوی احساسات کو ایک مخصوص طریقے سے متغیر کر لیتا ہے،

بلاواسطہ شناخت کا جو تخیل ہم نے سطور ماقبل مین پیش کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی تصدیقات شاذ ہی صحیح ہوتی ہین، ہم مین سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ذاتی تجربے سے اس بیان کی تائید

کر سکتا ہے، یہ غلطیان بالعموم دو قسم کی ہوتی ہین:۔ (۱) ایسی چیز جو کبھی ہمارے تجربے مین نہین آئی ہم کو مانوس معلوم ہو، اور (۲) مانوس چیز غیر مانوس دکھائی دے، اول الذکر غلطی بہت کثیر الوقوع ہے، بعض دفعہ ہوتا ہے کہ ہم ایک شخص کو دیکھتے ہین اور اس کو اپنا دوست سمجھکر اس سے نہایت تپاک، اور بعض صورتون مین بے تکلفی سے ملتے ہین، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ہم کو اپنی غلطی کا علم ہو جاتا ہے، ثانی الذکر غلطی کی مثالین نسیان کے واقعات مین بھی ملتی ہین، خود فراموشی اسکی ایک دلچسپ مثال ہے،

ان دونون غلطیون مین سے پہلی کی توجیہہ تو اس طرح ہو سکتی ہے، کہ شناختی تاثرات بعینہ ایک ہی شئے یا اشیا ہی سے پیدا نہین ہوتے بلکہ اگر دو اشیا، ایک دوسری سے کم و بیش مشابہت رکھتی ہون یعنی یہ کہ ان کے آپس مین چند شباہات ہون، اور چند اختلافات، اور ان مین سے ایک ہمارے لیے مانوس ہو تو دوسری بھی، بسبب اپنی شباہات کے مانوس معلوم ہو سکتی ہے، پھر ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دو اشیار مین قابلِ تمیز اختلافات نہ ہون، اگر یہ صورت ہے، تو بلاواسطہ شناخت کی کارفرمائی کا احتمال بہت زیادہ ہوتا ہے، ہم نے اوپر مثال دی ہے کہ بعض دفعہ ہم ایک ناواقف شخص کو اپنا بے تکلف دوست سمجھکر اس سے حسن سلوک کرتے ہین، لیکن بعد مین خود فریبی کا طلسم باطل ہوتا ہے، اس قسم کی مثالون مین ہوتا یہ ہے کہ یہ نیا شخص ہمارے بے تکلف دوست سے ایک یا چند صفات مین مشابہت رکھتا ہے، ہم ان دونون کے اختلافات کو تو نظر انداز کر جاتے ہین، اور محض مشابہت کی بنا پر اس کو اپنا بے تکلف دوست سمجھ لیتے ہین، دوسری غلطی کی توجیہہ و تشریح کے لیے بہت زیادہ اصطلاحی اور پیچیدہ بحث کی ضرورت نہین، ظاہر ہے کہ اس کا سبب

[1] پروفیسر ڈریور نے اسکو جواب بالتمثیل کہا ہے، پروفیسر انجیل نے اس کو حافظہ کے التباس کے ضمن مین بیان کیا ہے، اور اسکی انتہائی مثال دی ہے یعنی یہ کہ ہم کسی نئی جگہ جاتے ہین، اور وہ ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس سے قبل وہان کبھی نہ گئے تھے، انکے نزدیک اس التباس کی مختلف حالتون مین مختلف علتین ہوتی ہین، وہ خود اسکو مانوسیت کی حسیت کی مختل صورت سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ فی الواقع ایک جذبی التباس ہے جسمین ایک غیر موزون چیز ان عضوی ردِ اعمال کو پیدا کرتی ہے جو مانوس اشیا کا نتیجہ ہوتے ہین لیکن یہ ردِ اعمال کیون پیدا ہوتے ہین، اسکے بیان مین انجیل خاموش ہے۔

ایک تو یہ ہو سکتا ہے، کہ وہ چیز بہت زیادہ عرصہ کے بعد ہمارے تجربے مین آئے، اور اس عرصہ مین اسکی شکل وصورت ہمارے ذہن سے نکل گئی ہو، یعنی یہ کہ اس چیز کا ارتسام شناخت کی مذکورۂ بالا دو خصوصیات ممیزہ کو پیدا کرنے کے قابل نہین ہوتا، ایک علت یہ ہو سکتی ہے، کہ اس چیز کے متعلق ہمارا پہلا تجربہ بہت عارضی اور بالکل ناکافی ہو، مثلاً یہ کہ کسی خاص موقع پر بہت سے آدمیون سے ہماری سرسری ملاقات ہو، کہ ہم انکی شکل وصورت اچھی طرح نہ دیکھ سکین، ایسے اشخاص سے اگر ہم بعد مین ملین تو یقیناً ہم ان کی شناخت نہ کر سکین گے، حالانکہ اس سے قبل ہمارے تجربے مین آچکے ہین، ایک تیسری وجہ یہ بھی ممکن ہے، کہ وہ چیز گاہے ماہے ہمارے تجربے مین آئے، ان تمام اسباب سے ایک مانوس چیز ہمارے لیے نامانوس ہو سکتی ہے،

یہ یاد ہوگا کہ ہم نے پیچھے کہین بلاواسطہ شناخت کو دو اوصاف پر مبنی کیا ہے، اول مرکزی تہیجات کو پیدا کرنے مین موثریت، دوم ایک خوشگوار جذبی کیفیت، اب سوال یہ ہے، کہ ان دونون مین سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہے یا یہ کہ دونون مساوی رتبہ و درجہ رکھتے ہین، اس سوال کا جواب محض مطالعۂ باطن کی مدد سے ممکن نہین، لیکن "ذہنی اندھاپن" اور "ذہنی بہراپن" کے مریضون پر جو مشاہدات ہوئے ہین، ان سے اس سوال پر کافی روشنی پڑتی ہے، یہ دونون اصطلاحات پروفیسر منک کی ایجاد ہین ان سے اس نے وہ حالت مراد لی ہے جس مین ایک شخص کسی مدرک شے کے مفہوم کی شناخت نہین کر سکتا یا اس کا نام نہین لے سکتا، یا اس کو استعمال نہین کر سکتا، اس قسم کے شخص کے ہاتھ مین اگر چمچہ دیا جائے تو وہ اس کو دیکھتا ہے، اور مانوس بتاتا ہے، لیکن اس کا نام نہین لے سکتا، یا اس کا استعمال نہین کر سکتا بعض اوقات اس مرض کی نہایت مستبعد مثالین ملتی ہین، پروفیسر منک کا بیان ہے، کہ اس قسم کے ایک مریض نے کانٹے کی شکل وشباہت نہایت صحت کیساتھ بیان کی، لیکن جب ایک کانٹا اس کو دکھایا گیا تو وہ اس کو پہچان نہ سکا، اس مثال اور اسی نوع کی اور مثالون کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ اس مریض مین کانٹے کے محاکاتی اثرات کا فقدان تھا، دوسرے الفاظ مین یہ کہ یہ خاص ارتسام مرکزی تہیجات کو مطلقاً پیدا نہ کر سکا، لیکن اگر باوجود

اس مرکزی تہیج کی عدم موجودگی کے، مانوسیت باقی رہے، تو مانوسیت لازماً اس جذبی کیفیت کا نتیجہ ہوگی، جو اس ارتسام سے پیدا ہوئی، یعنی یہ کہ بلاواسطہ شناخت کے یہ دونون اسباب مساوی حیثیت نہین رکھتے جذبی کیفیت بغیر مرکزی تہیج کے، شناخت کی صورت پیدا کر سکتی ہے،

اس تمام بحث سے ظاہر ہے کہ ہم محض بلاواسطہ شناخت کی بنا پر یہ دعوی نہین کر سکتے ہین کہ حافظہ کی تمثالات ادراکات کے احیا کے ہم معنی ہین وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم بلاواسطہ شناخت مین ان کا آپس مین مقابلہ نہین کرتے لیکن بالواسطہ شناخت کی حالت اس سے مختلف ہے جن جن صورتون مین کسی چیز کا یاد کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، یا اس کے ذہنی احیار مین بہت وقت صرف ہوتا ہے، وہان ہم اپنے ادراکات اور تمثالات کے صریحی مقابلے کا مشاہدہ کر سکتے ہین، بالواسطہ شناخت کی دو مختلف صورتین ہو سکتی ہین، ایک صورت تو یہ ہے، کہ جس چیز کی ہم شناخت کر رہے ہین، اس کا ماحول بعینہ وہی ہو، جو گذشتہ تجربے مین تھا، دوسری حالت یہ ہے، کہ یہ ماحول بالکل مختلف ہو، یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ماحول کی اصطلاح کو ہم صرف مکانی معنون مین استعمال نہین کر رہے ہین، اس کا عام، اور غالباً غلط استعمال ہے، ماحول بالعموم ان تمام اشیار کے ہم معنی ہوتا ہے، جو ایک خاص شے کے ساتھ ساتھ ایک ہی مکان مین موجود ہوتی ہین، ہمارا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے، ہماری اصطلاح اس عام مفہوم کو حاوی ہے، اور اس کے علاوہ اس مین ہم وہ تمام اعمال بھی داخل سمجھتے ہین جنکا ہم ادراک کر سکتے ہین، اور جو بوقت واحد واقع ہوتے ہین، اس وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارے بیان کے سمجھنے مین دقت نہ ہوگی، بالواسطہ شناخت کی پہلی صورت تو بلاواسطہ شناخت کے ایک سلسلے مین تحویل ہو جاتی ہے، یہان ہم ماحول کی تمام مختلف اشیار و اعمال، اور اس شے کو جسکو ہم شناخت کر رہے ہین، منفرداً مانوس سمجھتے ہین، بالواسطہ شناخت اس کو صرف اس وجہ سے کہتے ہین، کہ اس چیز کی شناخت ماحول کی اشیار و اعمال کی شناخت پر موقوف ہوتی ہے، لیکن اگر یہ ماحول اصلی گذشتہ ماحول سے مختلف ہے، تو یہ بالواسطہ شناخت صرف اس طرح ممکن ہوتی ہے کہ ہم اس اصلی ماحول کا اپنے

ذہن مین احیاء کرین، جہان ہم نے پہلی مرتبہ اس شے کو دیکھا تھا، ماحول کے اس ذہنی احیا مین گویا ہم ان احساسات کا احیاء کرتے ہین جو اس کو، اور اس کے علم کو تحضر کرتے ہین، اب اگر ہم اس احیا مین کامیاب ہو جاتے ہین یا بالفاظ اگر یہ شے مرکزی تہیجات کو پیدا کر سکتی ہے، تو یہ "اشیاء معلومہ" کی فہرست مین شامل ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ اسکی شناخت ہو جاتی ہے، ہم یہ نہین کہہ سکتے، کہ جس چیز کی ہم شناخت کر رہے ہین، اس کا مقابلہ ہم اسی چیز کی تمثال سے کرتے ہین، یہ صورت بہت نادرالوقوع ہے، اگر یہ کبھی واقع ہوتی ہے، تو مذکورۂ بالا حالات مین،

اس تمام حالت کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ کہنا ناممکن ہو جاتا ہے، کہ کیفی مشابہت کو قائم کرنے کے لیے، ادراک اور حافظے کی تمثیل کا براہ راست مقابلہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونون کی عینیت کا مفروضہ کسی موجہ تجربی استقراء پر مبنی نہین، بلکہ یہ خیال اس قدیم خیال پر موقوف ہے، کہ ہمارا ذہن حافظہ مین کسی ایسی چیز کو محفوظ نہین کہہ سکتا، جسکو اس نے حواس کے ذریعہ سے اخذ نہین کیا، عضویات کی زبان مین اسی کو اس طرح بیان کرینگے، کہ ادراک اور حافظے کی تمثالات کے عصبی مراکز مختلف نہین، بلکہ ایک ہی مراکز ان دونون اعمال مین عامل ہوتے ہین، ہم نے اس سے قبل پروفیسر منک کے کچھ مشاہدات ذہنی اندھاپن اور ذہنی بہراپن کے متعلق بیان کیے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ادراک اور حافظ کی تمثال کے مراکز مختلف ہین، کیونکہ بقول منک ایک شخص کو کانٹے کا ادراک ہوتا ہے، لیکن وہ اسکے حافظ کی تمثال قائم نہین کر سکتا، اگر ان دونون فعلیتون کے مراکز ایک ہی ہین، تو ادراک کے ساتھ حافظ کی تمثالات کا ہونا لازمی تھا، لیکن جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہین، اس سے پروفیسر منک کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے،

شناخت کے اس مختصر مطالعہ کو ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے، یہان تک یہ مطالعہ خالصاً نفسیاتی نقطۂ نظر سے تھا، اب ہم اسی کو عضویاتی روشنی مین پیش کرینگے، اس بحث کو واضح کرنے کے لیے ہم شناخت کو ایک مختلف اصول پر تقسیم کرینگے، یہ تقسیم اس مواد کی نوعیت کی بنا پر کیجاتی ہے، جسکی ہم شناخت کرتے ہین، اس لحاظ سے اس کی دو قسمین

بنتی ہین، ایک احساسی اور دوسری تمثیلی، احساسی شناخت اس صورت کو کہتے ہین، جہان ہم اپنی کسی ادا کی فعلیت کی شناخت کرتے ہین، ہماری تمام گذشتہ مثالین شناخت کی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہین، ایک آلۂ حس، یا بہت سے آلات حس کا تہیج اسکی خصوصیت امتیازی ہے، اس کے مقابلہ مین جب ہم اپنے خیالات و افکار کی شناخت کرتے ہین، جیسا کہ حافظہ مین ہوا کرتا ہے، تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، یہان آلۂ حس کا تہیج مفقود ہوتا ہے، اب ہم ان دونون پر علیحدہ علیحدہ غور کرینگے،

احساسی شناخت مین عصبی فعلیتون کو معلوم کرنے کا بہترین طریقہ ہے، کہ ہم بچے کی حالت پر غور کرین اور دیکھین کہ اس مین یہ شناخت کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے، ہماری گذشتہ نفسیاتی بحث سے واضح ہو گیا ہوگا، کہ شناخت مین دراصل ہمارے گذشتہ تجربے کا احیاء ہوتا ہے، اسی حقیقت کو عضویات کی زبان مین اس طرح بیان کرینگے، کہ شناخت موقوف ہوتی ہے نظام اعصاب کے ان راستون کے دوبارہ تہیج پر، جنکو عصبی ہیجانات اس سے قبل قطع کر چکے ہین، اس دوبارہ تہیج کے عضوی ردعمل سے شعور مین اسکی صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، اور غالباً یہین سے شناخت کی بسم اللہ ہوتی ہے، عضویاتی حیثیت سے شناخت کی ترقی اور عادت کی تشکیل مین بہت زیادہ فرق نہین، اس تمام عصبی عمل کو واضح کرنے کے لیے ہم اس بچے کی مثال لیتے ہین جو اپنی مان کو پہچاننا شروع کر رہا ہے،

شروع شروع مین مان اس بچے کو، دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی ہے، تو وہ بچہ اپنی مان کی شکل دیکھتا ہے، اس کے لمس کو محسوس کرتا ہے، اور دودھ پینے مین دودھ کا ذائقہ چکھتا ہے، ان بصری لمسی اور ذوقی تہیجات کی وجہ سے لازماً حرکات پیدا ہوتی ہین، لیکن چونکہ اس عمر مین اس بچہ کے نظام اعصاب کے احساسی راستون اور مخصوص حرکی راستون مین تعلقات نہین ہوتے، لہذا یہ تمام احساسی تہیجات مختلف و متفرق حرکی راستون مین منتقل ہو کر بہت سی غیر متطابق حرکات کا باعث بنتے ہین، یہ تمام حرکات بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہین لیکن ان احساسی ارتسامات کی تکرار کے ساتھ ساتھ جو خوش آیند تجربات حاصل ہوتے ہین، ان کی وجہ سے

یہ متفرق اور غیر متطابق حرکات آہستہ آہستہ متطابق ہوتی جاتی ہین، اور محض تکرار کی وجہ سے یہ تطابقات عادت کی شکل مین مستقل ہونے کی طرف مائل ہوتے ہین، اس استقلال مین یہ تمام خوش آیند تجربات مدد دیتے ہین، یہی وجہ ہے، کہ جب وہ بچہ اپنی مان کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا ہے تو مسکراتا ہے، ہاتھ پاؤن مارتا ہے، اور اسی قسم کی اور حرکات کرتا ہے، یہ تمام حرکی ردِ اعمال اس مین عادی ہو چکے ہین،

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ متواتر احساسی ارتسامات بہت جلد احساسی حرکی تطابقات قائم کرتے ہین اور شناخت کا شعورِ عمل اس تمام عصبی فعلیت کا نفسی لازمہ ہوتا ہے، بعد کو یہ ارتسامات مخصوص حرکات کے ہم معنی ہو جاتے ہین، یہان تک کہا جاسکتا ہے، کہ یہ حرکات ان ہی ارتسامات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہین، اور شناخت کی ذہنی حالت ان عضویاتی ردِ اعمال کا مشاہدہ اور ایک طرح سے ان کی رہنمائی کرتی ہے، قانونِ عادت کے مطابق یہ تمام ردِ اعمال رفتہ رفتہ قسری ہوتے جاتے ہین، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تمام فعلیت کا نفسی عنصر ہونا شروع ہو جاتا ہے، نفسیات کی زبان مین اسی کو ہم کہین اس طرح بیان کر چکے ہین، کہ اگر ہم کسی چیز کو ایک ہی ماحول مین ہمیشہ دیکھین تو مانوسیت کا احساس، واضح اور معین صورت مین باقی نہین رہتا، ہم اپنے مکان کی چیزون کو دیکھتے ہین، لیکن ان کو شناخت نہین کرتے، اپنے لکھنے پڑھنے کی میز پر کی چیزون کو دیکھتے ہین، اور بغیر شناخت کئے ان کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہین، یہ سچ ہے کہ یہ صحیح استعمال ان کی شناخت ہی کا نتیجہ ہے، لیکن یہ شناخت صریحی نہین ہوتی جیسی کہ اس وقت ہوتی ہے، جب مین ان اشیا کو کسی اور ماحول، یا بہت مدت کے بعد، دیکھتا ہون، اس تمام عمل مین اور زیادہ ترقی ہوتی ہے، تو یہ ظاہری حرکات بھی بے کار ہو کر ختم یا خفی ہو جاتی ہین، بچپن مین ہم اپنی ماؤن کو دیکھکر ہاتھ پاؤن مارتے اور قسم قسم کی حرکات کرتے تھے، لیکن پانچ سات برس بعد ہی یہ تمام حرکات ختم ہو جاتی ہین،

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے، کہ احساسی قسم کی شناخت ان احساسی حرکی تطابقات کے احیا پر منحصر ہوتی ہے، جنکو ہم اپنے گذشتہ تجربات مین قائم کرتے ہین اور یہ کہ ان تطابقات کے قائم ہونے سے قبل ہیجانات اور حرکات مین

تنازع ہوتا ہے، رفتہ رفتہ بعض حرکات کا ازالہ ہو جاتا ہے، اور تطابقات قائم اور مستقل ہو جاتے ہین پھر مزید ترقی سے اس تمام عصبی فعلیت کا نفسی لازمہ بھی ختم، یا تقریباً ختم ہو جاتا ہے،

جب ہم اپنے ادراکات کی بجائے اپنے خیالات وافکار کی شناخت کرتے ہین، تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، ان دونون مین ذہنی حیثیت سے کوئی اہم فرق نہین، مانوسیت کی جذبی کیفیت دونون قسمون کی شناخت مین مشترک ہے، بالعموم عملِ شناخت خوشگوار ہوا کرتا ہے، یہ شناخت احساسی ہو یا تمثیلی، پھر دونون قسمون کی شناخت کے اعمال کے مختلف حصے بلحاظ وضاحت اور درجۂ تکمیل مختلف ہوتے ہین، چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ذہن مین کوئی خیال ظہور کرے، اور ہم کو ایسا معلوم ہو کہ "ہمنے اسکو کہین دیکھا تھا" یا یہ کہ "مانوس معلوم ہوتا ہے" یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خیال اور بہت سے متلازم خیالات کے احیا کا باعث ہو، اور ہم اسکی صریحاً شناخت کرلین،

عضویاتی حیثیت سے بھی ان مین کچھ زیادہ فرق نہین، سب سے بڑا اور اہم فرق، جیساکہ پہلے بیان کرائے ہین، یہ ہوتا ہے، کہ احساسی شناخت کے لیے آلۂ حس کا تہیج لازمی ہے، یعنی یہ کہ احساسی شناخت کی عصبی فعلیت کا آغاز آلۂ حس کے تہیج سے ہوتا ہے، اس کے برخلاف تمثیلی شناخت مین عصبی فعلیت کے شروع ہونے کے لیے آلۂ حس کے تہیج کی ضرورت نہین ہوتی، یہان قسری فعلیت بغیر آلۂ حس کے تہیج کے ہوتی ہے، لیکن باوصف اس کے حرکی ردِ عمل، اور باقی ماندہ قسری فعلیت دونون مین یکسان ہوتی ہے، اس تمام بیان کو ہم ذیل کی شکل سے واضح کرسکتے ہین:-

ق ۲ق ۱ق
۲م ۱م
اح اع ۲ع
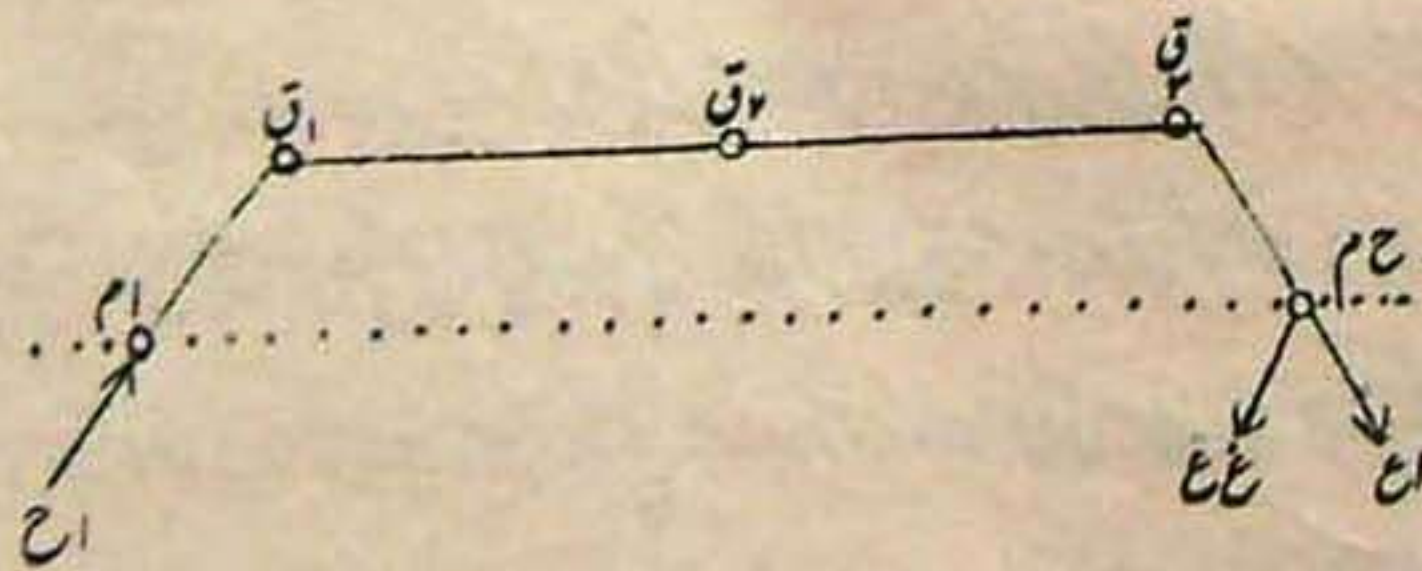
احساسی شناخت مین عصبی فعلیت کی ابتدا اح (آلۂ حس) سے ہوتی ہے، اس کا تہیج ام (دماغ کا احساسی مرکز) مین پہنچتا ہے، اور ادراک کے نفسی عمل کا باعث ہوتا ہے، یہان سے یہ یا تو براہ راست اح م

(دماغ کا حرکی مرکز) مین منتقل ہو جاتا ہے، اور اس طرح شناخت کی مذکورۂ بالا حرکات پیدا کرتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اح کا احساسی تہیج ق، ق، ق (مختلف قسری مراکز) مین منتقل ہو، اور یہان سے پھر ح م مین پہنچکر اع (ارادی عضلہ) اور غ ع (غیر ارادی عضلہ) کی تحریک کرے اور اس طرح احساسی حرکی دور ختم کر کے ایک عادی ردِ عمل پیدا کرے، تمثیلی شناخت مین تمام عمل اسی طرح کا ہوتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ قسری تہیج کی ابتدا آکر حس سے نہین، بلکہ کسی قسری مرکز، مثلاً ق سے ہوتی ہے، اگر تمثیلی شناخت کا عصبی عمل بھی کسی احساسی عمل کا رہینِ منت ہوتا ہو تو عمل اس تمام سلسلہ مین اس قدر پیچیدہ ہوتا ہے کہ ہم اس کو انجام کے ساتھ متعلق نہین کر سکتے، یہان یہ کہنے کی تو ضرورت نہ ہونی چاہیئے کہ حرکی ردِ عمل بہت خام اور منتشر بھی ہو سکتا ہے، لیکن ان کے کرنے کا میلان شناخت کے عصبی عمل کا اصلی جزو ہے،

اوراق گذشتہ مین ہم نے شناخت کا ذہنی مطالعہ کیا ہے، ذہنی اور جسمانی ارتقا کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی ماہیت اور خصائص معلوم کرنے کے لیے ہم کو ہر مرتبہ اس پر باقاعدہ توجہ کرنی پڑتی یا باضابطہ اختبارات کی ضرورت ہوتی، تو ہم اپنی زندگی کے کسی شعبہ مین بھی ابجد سے آگے نہ بڑھنے پاتے، اور ممکن ہے، کہ اسی توجہ و اختبار مین وہ چیز ہماری زندگی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیتی، بغیر شناخت کے حافظ ناممکن التصور ہے، بغیر حافظہ کے گذشتہ تجربات سے استفادہ محال ہے، بغیر اس استفادہ کے ماحول کی مطابقت، اور ضروریات کا پورا کرنا ناممکن ہے، اور بغیر اس مطابقت کے زندہ رہنے کی خواہش خیال خام ہے، یعنی یہ کہ بغیر شناخت زندگی خیال خام ہے، بغیر شناخت کے سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا نہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا، بے سمجھ اور بے عقل بچہ بھی اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو بعد مین صرف اسی چیز سے نہین، بلکہ اسکی ہم شکل اشیاء سے بھی دور بھاگتا ہے، کیا اس کا یہ عمل شناخت کا نتیجہ نہین؟ بچہ کی یہی ابتدائی شناخت حافظہ کی بنا بنتی ہے، بعض ماہرین تو حافظ کو شناخت ہی کی ترقی یافتہ صورت کہتے ہین، مختصر یہ کہ شناخت کی اہمیت صرف نفسیاتی ہی نہین، بلکہ حیاتیاتی بھی ہے،

درختون کا حسّ و ادراک

از

جناب محمد احمد صاحب بی اے (علیگ)

لندن یونیورسٹی مین فخرِ ہندوستان سر جگدیش چندر بوس نے اپنی جدید نباتاتی تحقیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ پودے، رنج و غم، خوشی و مسرت، خوف و خطر اور زہر و ادویات سے ہماری طرح متاثر ہوتے ہین، اس کے علاوہ حیوانات اور نباتات کی ساخت ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے، سر جگدیش کے ان جدید انکشافات نے سائنس کی دنیا مین ایک ہلچل ڈالدی، اور کم و بیش یہ سوالات ہین جنھون نے آج ماہرانِ سائنس کے غور و تفحص کو مشغول کر رکھا ہے، کیا درختون مین قوتِ حاسہ پائی جاتی ہے؟ کیا ان مین سوچنے اور سمجھنے کا مادہ موجود ہے؟ کیا وہ آدمیون اور دیگر جاندارون کی طرح قوائے تمیز و ادراک سے آراستہ ہین؟

نئی دنیا (امریکہ) کے سائنس دان سر جگدیش کے ان خیالات کی قدر کرتے ہین، مگر ان سے کلیۃً متفق نہین ہین، ان مین سے بعض کا تو یہ خیال ہے کہ سائنس کا یہ ہندوستانی دیوتا جدید علوم مین ہندو ویدانت اور فلسفۂ یوگ کو گڈمڈ کر رہا ہے، تاہم اس بات پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ ان انکشافات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ کارزارِ حیات مین نباتات کی تگ و دو بالکل ہماری جیسی ہے بجز اس کے کہ پودے مقامی ہوتے ہین اور چل پھر کر اپنی ضروریات کو پورا نہین کر سکتے، باقی اپنے سارے لوازمِ حیات مین وہ ہم سے مماثلت رکھتے ہین، دنیا مین ان کا وجود نر و مادہ کے اتصال کا رہینِ منت ہے، افزائشِ نسل کے ان مین وہی ذرائع رائج ہین جو حیوانات مین ہین، ان کو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی، اس لیے ان کو کھانے اور پانی دونون کی احتیاج رہتی ہے، وہ کھا پی کر اپنی خوراک ہضم بھی کرتے ہین، ان مین وہ اعضا بھی ہین جن سے

سائنس لیجاتی ہے،

ان کی اقتصادی زندگی بھی ہماری اقتصادی زندگی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے ان مین تبادلہ اشیاء کی رسم برابر جاری ہے، اور بعض اوقات تو وہ اپنی کاروباری ذہانت کا ایسا ثبوت دیتے ہین کہ حیرت ہوتی ہے، ان مین چور بھی ہین اچکے بھی، بدمعاش بھی نیک معاش بھی، انکی سوسائٹی کا ایک خاص معیار ہوتا ہے، جسمین امارت اور فلاکت کو بہت کچھ دخل ہے، وہ اپنے ماحول کے اثرات بہت جلد قبول کرلیتے ہین، سردی اور گرمی سے بچنے کی فکرین کرتے ہین، حملہ کے وقت مدافعت یا مقابلہ کی تدابیر اختیار کرتے ہین غرض آدمیون اور دیگر جاندارون کی طرح وہ اس باغ ہستی کی پرکیف فضا مین رونما ہوکر یہان کی سردی گرمی رنج و مصیبت، خوشی و مسرت کے مزے چکھتے ہوئے اپنی مدت معینہ پوری کرکے آخر منزل فنا پر جاپہنچتے ہین

جرمنی کے ایک بہت بڑے سائنس دان کا بیان ہے، کہ درختون کے آنکھین ہوتی ہین، جو نہ صرف ان کو روشنی اور تاریکی کا فرق بتاتی ہین، بلکہ ہر پتی کو دوسری پتیون کا لحاظ رکھنے اور اپنی اپنی جگہ مقرر کرنے مین مدد دیتی ہین، تاکہ تمام پتیان حرارت شمس سے برابر مستفیض ہوسکین، پروفیسر ہیرلڈ (Professor Harold) ایک انگریز سائنس دان نے اس تحقیق کا مزید ثبوت تصویر لیکر بہم پہنچایا ہے،

اس بات کا کوئی قطعی ثبوت دینا کہ درختون مین فہم وادراک کس حد تک موجود ہے، بہرحال سخت مشکل ہے، سائنس نے ابھی اتنی بھی ترقی نہین کی ہے کہ ہمین جانورون کے فہم وادراک کا صحیح اندازہ ہوسکے بہت چھوٹے چھوٹے جانورون کا تیزاب سے ڈرنا اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا ہم نے خوردبین سے معلوم کیا ہے، درختون[1] کے متعلق بھی ایسی ہی باتین مشہور ہوتی ہین،

تقریباً ڈھائی لاکھ درختون کی تحقیقات ہوچکی ہے، ہر جگہ حیات کے لیے ان مین ایک سفاکانہ

[1] سر جگدیش نے اپنے تجربہ گاہ مین جس نازک آلہ سے اس قسم کی تحقیقات کی ہے، اوس کا نام Resonant Recorder ہے۔

جنگ جاری ہے، قدرت کا یہ اٹل قانون کہ "زور آور کے لیے بقا، اور کمزور کے لیے فنا" عالم نباتات مین بھی بخوبی نافذ ہے،

زیادہ تر ماہران سائنس کا یہ خیال ہے کہ درختون مین قوت مدرکہ نہین ہوتی بلکہ ان مین ایسے فطری ذرائع موجود ہین جیسے وہ گرمی، روشنی، ہوا، اور خوراک جنپر ان کی زندگی اور نمو کا دارو مدار ہے حاصل کرتے ہین، بعض درخت حصول آب کی غرض سے دور دور تک اپنی جڑین پھیلا دیتے ہین، بعض کے پتے اس قدر بڑھ جاتے ہین کہ وہ بخوبی دھوپ جذب کرلیتے ہین، جنوبی امریکہ کے ایک درخت کی پتیون مین ایک ایسا شگاف ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دھوپ تنے مین لگتی ہوئی پتیون تک اچھی طرح پہنچ جاتی ہے، سورج مکھی کا مشہور و معروف پھول ہمیشہ اپنا رخ سورج ہی کی طرف رکھتا ہے، اب اس کو خواہ درختون کی جبلت کہا جائے یا ادراک یہ حیرت انگیز ضرور ہے، اور ذیل کے قصون کی سچائی پر دال ہے، جو اکثر سیاحون کی زبانی ہم تک پہنچے ہین،

آدم خور درخت

اس عجیب الخلقت درخت کے متعلق چند روز ہوئے ایک سیاح کا خط شائع ہوا تھا، جسکو ساری دنیا نے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا، سیاح کا بیان ہے کہ جب وہ جزیرہ میڈگاسکر کے وسطی علاقہ مین پہنچا تو اس نے وہان ایک عجیب و غریب درخت دیکھا، جو ۵ فیٹ بلند تھا، اور تقریباً اسی قدر ضخیم، اسکے بڑے لمبے لمبے پتے، جنمین بڑے بڑے نوکیلے کانٹے لگے ہوئے تھے، زمین تک پہنچ رہے تھے، سیاح کے ہمراہ جزیرہ کے بہت سے باشندے تھے جو اس درخت کو کوئی دیوتا سمجھکر اسکی پرستش کرتے تھے اور بھینٹ چڑھاتے تھے، سیاح کے خوف و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ان وحشیون نے اپنے ایک ہم قوم کو اس درخت کی طرف ڈھکیل دیا اور خود ہر چہار جانب بڑے بڑے بھالے تان کر کھڑے ہوگئے کہ وہ بھاگ نہ سکے، درخت نے آہستہ آہستہ اس شخص کو اپنے پتون مین لپیٹ لیا اور بڑے بڑے کانٹے اس کے جسم مین پیوست ہوگئے، چند ہفتون کے بعد جب سیاح کا اس طرف پھر گذر ہوا تو اس نے

دیکھا کہ درخت کے پتے کشادہ ہین اور اس کے قریب چند ہڈیان پڑی ہوئی ہین، وہ سمجھ گیا کہ اپنے شکار کو ختم کرکے وہ خونخوار درندہ کسی دوسرے بدبخت کو اپنی آغوشِ موت مین لینے کا منتظر ہے،

وسط امریکہ کا بھی ایک ایسا ہی قصہ سننے مین آیا ہے، ایک سیاح نے اپنی تقریر مین بیان کیا کہ وسط امریکہ مین، اس نے ایک ایسا درخت دیکھا ہے کہ جو قسمت کا مارا جانور اس کے قریب جا پہنچتا ہے، وہ اسکو بغیر مار ڈالے نہین چھوڑتا، چنانچہ سیاح کا کتا اس درخت کی لپیٹ مین آگیا اور جب اس نے کتے کو چھڑانے کی کوشش کی تو خود زخمی ہوگیا۔

ممکن ہے آپ کو ان قصون کی صحت مین شک ہو، مگر اہل علم کے تجارب کو آپ کہانتک جھوٹا سمجھینگے؟ ڈارون خود یقین کرتا تھا کہ بہت سے ایسے پودے ہین جو کیڑے مکوڑے کھاکر بسر اوقات کرتے ہین، اور آج بھی ماہران علم نباتات بہت سے ایسے پودون سے واقف ہین جو کیڑے اگر کھاتے نہین تو پکڑتے ضرور ہین،

کھی مار درخت

ان کیڑے پکڑنے والے درختون مین (۱) کھی مار درخت (۲) اور پیالہ دار درخت بہت مشہور ہین، اول الذکر ایک نہایت خوبصورت پودا ہوتا ہے، اور اس مین بہت ہی خوشنما نازک پھول لگتے ہین، اسکی پتیان دندانے دار ہوتی ہین، جہان کوئی کھی یا کیڑا اس کے پاس سے گذرا، یہ اسکو اپنی پتیون مین لپیٹ لیتا ہے، اس طرح ایک بار اپنے دام مین پھنساکر یہ اپنے صید کو زندہ نہین چھوڑتا اور آخر کار موت اس کو آزاد کرتی ہے،

دوسرے درخت کی پتیان پیالیون کی طرح ہوتی ہین، اور ان پر سرپوش لگے رہتے ہین، پیالیون کے اندر ایک بو دار سیال مادہ ہوتا ہے، کیڑا مادہ کی بو پاکر پیالے کے اندر داخل ہوجاتا ہے، اب جو دیکھتا ہے تو ڈھکنا بند، نکلنے کی ہزار کوششین کرتا ہے مگر سب بیکار، آخر اسی شراب مین غرق ہوکر جس کا مزہ چکھنے وہ اس محبسِ ہلاکت مین داخل ہوا تھا جان دے دیتا ہے،

یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ درخت حیوانات کی طرح نقل وحرکت پر قادر نہین، مگر قدرت نے ان کے لیئے

ایسے سامان مہیا کر دیئے ہین جنسے اس نقص کی بخوبی تلافی ہوجاتی ہے، چنانچہ نر و مادہ کی تلاش ان کو لاحق نہین ہوتی، بلکہ ایک ہی شاخ پر ایسے دو پھول کھلتے ہین جو نر و مادہ[1] کا کام انجام دیتے ہین، بعض اوقات ایک ہی پھول مین یہ دونون مادے یکجا جمع ہوجاتے ہین، اور اس یکجائی کا نتیجہ تخم کی صورت مین نمودار ہوتا ہے، اب ان کو یہ ضرورت ہوتی ہے کہ تخم کسی طرح زمین تک پہنچکر انکی افزائشِ نسل کا ذریعہ بنے، اس کام مین انکی امداد کے لیے قدرت نے اپنی دیگر مخلوقات کو مقرر کر رکھا ہے،

بعض خود رو درختون کے بیج ہوا اڑا کر لیجاتی ہے، اور دور دور تک روے زمین پر پھیلا دیتی ہے، اور بعض کی تخم ریزی شہد کی مکھیون، تتلیون اور اس قسم کے بعض دوسرے جانورون کے سپرد ہے، قدرت کے کارخانے عجیب ہین، بظاہر ان جانورون کو تخم ریزی سے کوئی تعلق نہ تھا، مگر انکی تحریص و ترغیب کے لیے پھولون مین شہد پیدا کر دیا گیا، جسکی چاٹ پڑ جانے سے یہ خود بخود درختون کے پاس پہنچتے ہین اور ان کے بیج اپنی ٹانگون مین لگا لاتے ہین،

زندگی کی دوڑ مین درختون کو بھی بہت سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسلیے بعض درخت اپنی کامیابی کے لیے اشتہارات سے کام لیتے ہین، چنانچہ بعض اپنے پھولون کو خوشرنگ بناکر اور بعض ان مین خوشبو پیدا کرکے کیڑون مکوڑون کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرتے ہین، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ پھولون کا رنگ جو ہماری آنکھون کو اس قدر بھلا لگتا ہی محض کیڑون کو لبھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہی،

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ بعض پودون کو ان حضرت انسان کی بھی خدمت کا شرف حاصل ہے، جو اپنے کو اشرف المخلوقات سمجھتے ہین، ظاہر ہے کہ ان کی اس خدمت گذاری مین بھی اس قسم کا راز پوشیدہ ہے جو

---

[1] مبصرین کا بیان ہے کہ درختون مین پھول بھی نر و مادہ ہوتے ہین، چنانچہ نر پھول ایک قسم کا پوڈر جس کو دقیق گل ([illegible]) کہتے ہین، مادہ پھول مین گراتا ہے، انگریزی مین [illegible] کہتے ہین، اور اس طرح تخم وجود مین آتا ہے،

اور پر کیڑون کے متعلق بیان ہوا،

آپنے اوپر پڑھا ہے کہ عالمِ نباتات مین ایک طبقہ جرائم پیشہ درختون کا ہے، جرائم پیشہ لوگون کی طرح یہ درخت اپنی جماعت کے مستعد کارکن اور محنتی ارکان کو شکار کرتے ہین، ایک درخت سالہاسال بڑھکر برگ و بار سے اس قدر لدجاتا ہے کہ اسکو اپنی کسی نہ کسی شاخ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، وہ شاخ جس مقام سے جدا ہوتی ہے، وہان ایک زخم ڈالدیتی ہے، اس زخم پر کوئی بدمعاش اپنا گھونسلا بنا لیتا ہے، اور چپکے چپکے درخت کا خون چوستا رہتا ہے، خون کے برابر نکلتے رہنے سے درخت کمزور پڑجاتا ہے، اور آخرکار موت اپنا بھیانک چہرہ دکھاکر اس کا خاتمہ کردیتی ہے، بہت کم ایسے درخت ہوتے ہین جو اپنی موت مرتے ہین، بلکہ زیادہ تر وہ انھین ٹھگون اور رہزنون کی نذر ہوجاتے ہین،

قدرت نے بعض درختون کو حفاظت ذاتی کے لیے اسلحہ بھی دے رکھے ہین، جو اکثر زہر اور کانٹون کی شکل مین ہوتے ہین، بعض درخت اپنے دشمنون کے مقابلہ مین جانورون سے رابطۂ اتحاد قائم کرلیتے ہین چنانچہ کالیفورنیا کا ایک درخت اپنے پتون پر ایسی ہزارہا گوشت خور چیونٹیون کو جگہ دیتا ہے جو ان کیڑون کو کھا جاتی ہیں جنسے درخت مذکور کے پتون کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے،

ہمارے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ دنیا مین نباتات کا وجود بہت قدیم ہے، بہت سے پرانے پرانے درختون کے تنے اور جڑین وغیرہ اکثر زمین سے برآمد ہوتی رہتی ہین، لیکن پھر بھی روز بروز نئی نئی خاصیت کے پودے دریافت ہورہے ہین، ابھی حال ہی مین پروفیسر سیموئیل جے رکرڈ نے ایسے دو درختون کو دریافت کیا ہے جنمین سے ایک دودھ دیتا ہے اور ایک سے خون ٹپکتا ہے،

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی ذلکم اللہ فانی تؤفکون،

بیشک وہ خدا ہی ہے جو دانون اور گٹھلیون کو چیرتا ہے اور وہ وہ چیزون سے زندہ چیزین اور زندہ چیزون سے مردہ چیزین باہر لاتا ہے یہی تمہارا خدا ہے تو تم کدھر بہکے

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار

له چونکہ اس کا ذکر ہے، امریکہ میں ایک بہت پرانے درخت کا تنہ زمین سے برآمد ہوا، وہ اس وقت گلاسگو کے عجائب خانہ مین موجود ہے،

چند نایاب کتابین،

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی،

مولانائے ممدوح کا شمار اس وقت کے مشہور عشاقِ کتب مین ہے، اور یہ عشق ناکام نہین ہر مہینہ ان کو کچھ نہ کچھ کتابین بہم پہنچتی رہتی ہین، ان کے خاص کتب خانہ حبیب گنج (علی گڈہ) مین عربی و فارسی نوادر کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، جب کبھی کوئی نئی چیز ان کے ہاتھ آتی ہے، تو اپنے والاناموں مین، اسکی اطلاع اڈیٹر معارف کو ضرور کرتے ہین، زیارت حرمین سے فارغ ہوکر جب ہندوستان آئے، دیگر روحانی فیوض و برکات کے ساتھ کچھ علمی تحفون کا بھی سامان ہاتھ لایا، اپنے والانامہ مورخہ ... رجب ۴۵ھ مین رقم فرماتے ہین،

۱- التقصّی، حافظ ابن عبدالبرؒ کی نقل ہوکر مدینہ طیبہ سے آگئی، یہ کتاب مشائخِ امام مالکؒ کے حالات مین ہے، ہر شیخ کے ذکر مین اسکی وہ تمام حدیثین بیان کردی ہین جو موطا مین ہین، اور اسی ضمن مین ہر حدیث کے متعلق محدثانہ بحث ہے، اپنی بڑی کتاب التمہید سے اس کو مختصر کیا ہے،

گذشتہ مہینہ حصولِ کتب کے لحاظ سے مبارک تھا، بعض اور نایاب کتابین بھی ہاتھ آئین،

امام سمان المتوفی ۴۴۵ھ نامور امام ہین، "کان عالماً عابداً انہ اھل فقیھاً .... اماماً فی القرآت والحدیث والرجال والفرائض والفقہ وصنف ودرس واملی"، امام موصوف نے ایک کتاب لکھی "الموافقۃ بین اہل البیت والصحابۃ وما رواہ من کل فریق فی حق الآخر"، اس کتاب کو علامہ زمخشری نے مختصر کیا، بہ حذف اسناد و مکررات اس مختصر کا قلمی نسخۂ نفیس ہاتھ آیا، یہ نسخہ مؤلف

کے نسخہ کی نقل اور اس سے مقابلہ شدہ ہے، نسخہ قدیم ہے اگرچہ سنۂ تحریر تحریر نہین،

۳- ایک نسخہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ارتیاح الاکباد فی ارباح فقد الاولاد، کا حاصل ہوا، اولاً کتاب نایاب، موضوع بھی خاص، لکھا ہے کہ صدمات کی کثرت اور اولاد کی وفات کے بعد یہ کتاب مین نے لکھی، اس کتاب مین کتاب و سنت سے فقد اولاد کا ثواب و اجر نقل کیا ہے، اسی کے ضمن مین سلف صالحین کے اقوال اور اشعار صدمات وغیرہ کی بابت نقل کئے ہین، اسی طرح صبر، تعزیت، بکاء، اذکار، یقولہا من اصیب، تین ابواب ہین، مقدمہ مین فضیلۃ عقل ونقل ولزوم القبول منہما کا بیان ہے، خاتمہ مین ان کتابون کا ذکر ہے جو اس کتاب سے پہلے موضوع مذکور پر تالیف ہوئین،

دوسری خصوصیت عظیمہ اس نسخہ کی یہ ہے کہ خود حافظ سخاوی کا پڑھا ہوا پڑھایا ہوا، صحیح کیا ہوا بہت کچھ لکھا ہوا ہو حواشی پر جابجا اسکی تصریح و تشریح ہے، حرم محترم مین یہ کتاب زیر درس آئی ہے کبھی حافظ ممدوح نے قرأت کی ہے اور تلامذہ نے سماعت، ہر سماعت کے بعد شاگرد لکھتے ہین "بلغت والجماعۃ سماعاً فی الاول یوم الثلاثاء ثانی ربیع الآخر سنۃ احدی وسبعین وثمان مأتہ بالمسجد الحرام من لفظ جامعہ العلامۃ الحافظ شمس الدین السخاوی فسح اللہ فی مدتہ وکان لہ وکتب یحیی بن عمر بن فہد الہاشمی عفا اللہ عنہ" اسی طرح شمار و تاریخ کے فرق کے ساتھ ہر سماعت کے بعد یہ عبارت ہے، کبھی حافظ صاحب نے سنی ہے اور شاگرد نے قرأت کی ہے، اس موقع پر حافظ ذی شان کے قلم کی یہ عبارت ہے، "املی الشیخ عبد اللہ بن فہد نفع اللہ بہ قرأۃ علیّ فی الثانی والجماعۃ سماعاً کتبہ من لفظہ" اسی خط مین کثرت سے تصحیح ہے، ورق کے ورق اصل کتاب کے تحریر ہین، ایک جگہ لکھا ہے، بلغ مقابلہ، ضخیم کتاب ہے،

۴- ایک کتاب حافظ مغلطائی کی ہے، الاشارہ، الزہر الباسم فی سیر ابی القاسم، کا خلاصہ، مختصر رسالہ ہے مگر جامع اختلافات، مثلاً تاریخ ولادت مبارکہ کے متعلق تمام اقوال ایک جگہ علیٰ ہذا القیاس، بخط عرب ۸۱۵ھ کا محررہ نسخہ مصنف سے مقابلہ شدہ،

۵- ایک مجموعہ فقیہ قطلو بغا الحنفی المصری کے رسائل کا ہے جس مین ان فقہی

سوالون کے جواب ہین جو وقتاً فوقتاً فقیہ ممدوح سے کئے گئے، جابجا ناقص ہے، بعض سوالون مین مخاطب حافظ عسقلانی، عینی اور قطلو بغا ہین، اور تینون حضرات کے جواب جدا جدا نقل کئے ہین، یہ نسخہ ۹۵۹ھ کا ہے اور مسودہ مؤلف کی نقل کی نقل ہے، "انتہی من المسودۃ التی کتبت من مسودۃ المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ"

۶- ایک نسخہ اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام، اسدی شافعی کا المتوفی ۱۰۶۶ھ، محررہ ۱۱۴۳ھ بخط عرب،

۷- ایک نسخہ محب الدین الطبری کی خلاصۃ سیر سید البشر کا نفیس خط مطلاً مذہب، سنہ تحریر مشکوک ہو گئے ہین سنہ مقابلہ ۸۶۰ھ درج ہے، مکہ مکرمہ مین لکھا گیا،

۸- ایک مجموعہ رسائل شیخ علی متقی کے عربی و فارسی رسائل کا ہے، ناقص من آخرہ،

۹- ایک نسخہ چار صد ایراد بر کلام آزاد[1] کا ہے قلمی عمدہ لکھا ہوا محمد باقر آگاہ ایلوری کا مؤلفہ، سنہ تحریر نہین تاہم پرانا ہے، جابجا حاشیہ ہے، منہ کان اللہ لہ۔ ممکن ہے کہ مؤلف نے لکھا ہو، کیا یہ فتوح قابل مبارکباد نہین؟

المحمود

بیادگار شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب عثمانی قدس اللہ روحہ
شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مد ظلہ تعالیٰ

کے زیر سیادت شائع کرنے کا ارادہ ہے جسمین قرآن کریم کے معارف اور حدیث نبوی کے لطائف، فقہ کے ضروری مسائل، اصلی تصوف کا مغز، تاریخی مضامین، اور بعض ضروریات حاضرہ و مسائل وقتیہ پر مذہبی رنگ مین نقد و تبصرہ ہوا کرے گا، کم از کم پانچسو خریدارون کی درخواستین موصول ہوجانے پر پہلا نمبر شائع کیا جائیگا، ۲۰×۲۶ سائز پر کم از کم ۳۲ صفحہ ضخامت، قیمت ۴ع

مولوی محمد یحییٰ تھانوی معین التدریس دار العلوم، دیوبند، ضلع سہارن پور،

[1] معارف: غالباً آزاد بلگرامی پر اعتراضات ہونگے،

تلخیص و تبصرہ

گذشتہ سہ ماہی کی بعض قابلِ ذکر مطبوعات

(یورپ مین)

جنوری، فروری اور مارچ مین جو قابلِ ذکر کتابین شائع ہوئی ہین ان مین ادبیت کا فخر یاقوت کی معجم الادباء کی ساتوین اور آخری جلد کو ہے، پروفیسر مارگولیتھ نے گب موریل سیریز (سلسلۂ یادگار گب) مین اسے نہایت قابلیت کے ساتھ اڈٹ کر کے شائع کرنا شروع کیا تھا اور بحمد اللہ کہ ان کی یہ محنت ٹھکانے لگی،

کتاب کا اصلی نام ارشاد الاریب فی معرفۃ الادیب ہے،

اسی طرح ڈاکٹر سر ای، ڈی، راس نے پروفیسر براؤن کی کتاب "ایک سال ایرانیون مین" کو نظرثانی کر کے مطبع جامعۂ کیمبرج سے شائع کیا ہے اور اب اسی کے ساتھ پروفیسر آنجہانی کے ان مختلف تراجم اشعار کو جو مختلف رسائل وغیرہ مین شائع ہوتے رہے تھے، ایک جگہ جمع کر کے شائع کرنے کا انتظام کر رہے ہین اس مجموعہ کی ابتدا مین تاریخ ادبیاتِ ایران پر ایک مختصر جامع مضمون ہوگا اور مسٹر جے، بی، اٹکنس پروفیسر مذکور سوانح حیات بھی لکھین گے،

سر تھامس رو، انگریزون کا اولین باقاعدہ سفیر تھا جو دربار جہانگیری مین حاضر ہوا تھا، اس نے اپنے اس سفر کے حالات قلمبند کئے تھے، ان حالات کو ہکلیوت سوسائٹی نے ۱۸۹۹ء مین اپنے سلسلۂ کتب مین شائع کیا تھا اور اسی مقبولیت کی وجہ سے اسی زمانہ مین بک گئی تھی، اب اسی کتاب کو حواشی، ضروری نوٹ وغیرہ کیساتھ سر ولیم فاسٹر نے مطبع جامعۂ آکسفورڈ سے شائع کیا ہے، تاریخی حیثیت سے

جو اہمیت حاصل ہے اسکی وجہ سے تمام ادبی رسائل نے اس پر طویل تنقیدات شائع کی ہین،

جامعۂ کیمبرج نے کئی برسون سے دنیا کی تاریخ قدیم کا ایک وسیع و ضخیم سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے اس وقت تک اسکی چار جلدین شائقین کے ہاتھون مین پہنچ چکی ہین، اب اس کے مطبع نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ بہار مین وہ اسکی تین اور جلدین شائع کریگا، پانچوین جلد کا نام "ایتھنز" ہوگا اور یہ ایرانی جنگ سے سقوطِ ایتھنز" کے حالات پر مشتمل ہوگی چھٹی جلد "مقدونیہ چوتھی صدی" کہلائے گی، اور ساتوین جلد مین پہلی شائع شدہ چار جلدون کے متعلق ۲۰۰ بہترین تصاویر ہونگی،

ہندوستان کے جنگلون کے متعلق یون تو سرکاری دفاتر مین کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا، لیکن انکی تنظیم ترتیب تاریخ، عالات وغیرہ پر حال مین جو کتاب ہندوستان کے جنگل کے نام سے ۴ جلدون مین شائع ہوئی ہے، قابلِ ذکر ہے اس کے مصنف مسٹر سٹیبنز اڈنبرا یونیورسٹی مین جنگل اور متعلقاتِ جنگل کے استاذ ہین،

"ن"

مصر مین

دو تین ماہ مین جو اہم قدیم مؤلفات شائع ہوئی ہین ان مین سے چند یہ ہین،

اندلس کے مشہور مفسر ابوحیان متوفی ۷۴۵ھ جنکی نایاب تفسیر "البحر المحیط" حکومت مغرب اقصیٰ کے اہتمام سے ۱۳۲۸ھ مین شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھون مین آچکی ہے، اونکی علوم قرآن پر ایک اور نایاب تالیف "تحفۃ الاریب بمافی القرآن من الغریب" مصر کے مشہور علماء کی خاص توجہ سے یورپ کے جدید طرز ترتیب و تصحیح پر شائع ہوئی ہے،

عربی علم ادب و موسیقی کی مشہور کتاب ابوالفرج اصفہانی کی الاغانی جو ۲۰ ضخیم جلدون مین ہے، آسانی کی غرض سے لوگون نے اسکی تلخیص آجکل بھی کی ہے، رنات المثانی نام ہے، لیکن اس ضرورت کا احساس اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا چنانچہ عربی زبان کے مشہور اندلسی امام ابن منظور خزرجی مصنف لسان العرب (۶۳۰ھ - ۷۱۱ھ) نے مختار الاغانی کے نام سے اس کا خلاصہ کیا تھا، اس کا ایک حصہ چھپکر مصر مین شائع ہوا ہے

اور باقی حصص زیر طباعت ہین،

چند ماہ گذرے کہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ کی کتاب "اخبار الحمقاء والمغفلین" کا تذکرہ "معارف" کے "اخبار علمیہ" مین آیا تھا، اب یہ کتاب شیخ عبدالقادر المغربی رکن المجمع العلمی العربی دمشق کی خاص توجہ سے ۷۹۵ صفحون مین شائع ہو گئی ہے، ابتدا مین جناب مرتب کا ایک فاضلانہ مقدمہ بھی ہے،

ان تمام قدیم مؤلفات مین جو دو تین ماہ مین شائع ہوئی ہین، حافظ ابوالخیر محمد بن محمد خرزی دمشقی متوفی ۸۳۳ھ کی کتاب "النشر فی القراءات العشر" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اس مین قرآن مجید کے متعلق نزول وحی سے لیکر اس کے جمع و ترتیب، مختلف صحابہ کے ہاتھون مختلف دیار اسلامی مین اس کے پہنچنے، پھر صحابہ سے تابعین اور ان سے دیگر علمائے اسلام تک اس کے جانے کے تفصیلی حالات سنداً درج ہین، اس کے بعد قراءۃ متواترہ پر ہزارون اسناد، قراء عشرہ اور دیگر ممتاز قراء مین سے دو سو سے زیادہ کے تراجم، ان کے طریقۂ قراءت اور اصولِ قراءت پر تفصیلی بحث ہے، نیز علم تجوید کے تمام اصول و قواعد منضبط ہین، غرض کہ قرآن مجید کے متعلقہ مباحث اس ایک تصنیف مین یکجا ہین، اس تالیف کی اہمیت اسلیے اور بھی زیادہ ہے کہ اس کے بعد کے تمام مؤلفین کا ماخذ یہی واحد کتاب ہے، دمشق کے ادیب شیخ محمد احمد دہمان نے اس کتاب کے چار نسخے جو بردۂ عالم مین موجود تھے ان کو یکجا کئے، جنمین سے بعض نسخون کے فوٹو لینے کی ضرورت پڑی، جس پر خاص مؤلف کے قلم کی عبارتین موجود ہین، اور اس کے بعد انھون نے انھی چارون نسخون کی مدد سے خاص اہتمام کے ساتھ اس کو اڈٹ کر کے شائع کیا ہے،

علامہ نویری کی مشہور کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب جو ۲۰ جلدون مین گویا علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اب چھپنی شروع ہو گئی ہے، اور اسکی ایک دو جلدین سرکاری مطبع سے چھپکر شائع ہوئی ہین، آٹھوین صدی کی تصنیفات مین یہ کتاب سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے،

"ر"

ایران مین تعلیمی جد و جہد

جنگ عظیم کے بعد سے ایران مین جو حیرت انگیز انقلاب رضا شاہ پہلوی کے زیر سایہ پیدا ہو رہا ہے اس کا ایک مظہر ایران مین تعلیمی جد و جہد کے کارنامے ہین، سیکڑون ایرانی طلبہ یورپ کی مختلف درسگاہون مین یا خود جا رہے ہین یا حکومت کی طرف سے بھیجے جا رہے ہین، قاچاری سلطنت کے عہد مین نئی طرز کا صرف ایک بڑا کالج دار الفنون نام طہران مین تھا جس نے ایک زمانہ مین ایران کی نئی نسل کے بڑے بڑے اشخاص پیدا کئے، مگر پچھلے انقلابات نے اسکو بھی صدمہ پہنچا دیا تھا، جدید حکومت دوسرے ملکی صیغون کی ترقی و ترتیب کے ساتھ تعلیم کی طرف بھی اپنی توجہ منعطف کر رہی ہے،

لڑکون کے ساتھ لڑکیون کی تعلیم کا بھی خاص اہتمام ہے، بلکہ بعض اونچے درجون مین تو لڑکیون کی تعداد لڑکون سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ ایک مصری رسالہ نے ایک ایرانی صحیفہ سے یہ بیانات نقل کئے ہین:

"وہان سب سے بلند معیار کے دو مدرسے ہین، جنکو مدرسہ عالیہ کہا جاتا ہے، ان دونون مدرسون مین طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۹۲ ہے، اور اس تعداد کی حیرت انگیز تفصیل یہ ہے کہ ان مین سے ۲۷۳ لڑکے اور باقی ۴۱۹ لڑکیان ہین،

ان مدارس کے بعد ثانوی مدارس ہین جنمین ۲۰۰۶ لڑکے اور ۳۰۴۸ لڑکیان زیر درس ہین، ۳۱۷ مدارس متوسطہ مین ۱۱۴۴۰ طلبہ اور ۱۰۹۲۷ لڑکیان ہین، ۴۸۰۴ مدارس ابتدائیہ مین ۲۰۸۹۴۴ طلبہ اور ۴۴۴۲۰ لڑکیان ہین، اس کے بعد ۲۸۳ مذہبی مدارس ہین، جنمین ۲۳۷۰۵ طلبہ زیر درس ہین، اور ان سب کے علاوہ قدیم وضع کے ۲۴۰۲ مکتب ہین جنمین ۵۹۸۴۴ طلبہ تعلیم پاتے ہین،

ان تمام مدارس کی مجموعی تعداد ۱۳۰۱ ہے، جنمین ۱۱۴۰۱۰ لڑکے اور لڑکیان اور ۳۲۷۲ اساتذہ اور ۹۱۵ معلمہ ہین"

یہ رپورٹ مسلمانانِ ہند کے لیے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ ان کی ہمسایہ سلطنت ایران

ایران مین خواتین طالباتِ علم کی کسقدر حیرت انگیز کثرت ہے، اور خصوصاً مدارس عالیہ اور ثانویہ مین تو مردون سے کہین زیادہ انکی تعداد ہے، مگر ابھی مسلمانانِ ہند مین یہی مسئلہ زیر بحث ہے کہ تعلیم نسوان ضروری ہے کہ نہین بلکہ یہ جائز بھی ہے یا نہین؛

"ک"

دائرۃ المعارف یہود

اب جبکہ معارف نے اردو دائرۃ المعارف کی تحریک از سرنو شروع کی ہے، یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ یہودیون کی ایک مقتدر علمی جماعت بھی اپنی قومی دائرۃ المعارف کی تصنیف کا بندوبست کر رہی ہے، موقر سہ ماہی رسالہ ایشیاٹک ریویو نے اس کا اس طرح خیر مقدم کیا ہے :-

"ہم کو بہت مسرت ہے کہ برلن کے اصحاب علم کی ایک مقتدر جماعت نے ایک مجلس اس غرض سے قائم کی ہے کہ وہ یہودیون کے لیے انسائیکلوپیڈیا لکھے، تقریباً ربع صدی پہلے نیویارک مین یہودیون کی ایک دائرۃ المعارف (جیوریش انسائیکلوپیڈیا) لکھی گئی تھی، لیکن اس عرصہ مین نہ صرف معاشرتِ یہود بلکہ ان کے خیالات مین بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگیا ہے، اس تصنیف کے مرتبین کا خیال ہے کہ ابتداء سے موجودہ زمانہ تک کے یہودی مذہب، ادبیات، تاریخ، فلسفہ، وغیرہ کا مفصل ذکر ہوگا، اس کے ساتھ ہی مختلف اوقات مین ان کی جو اقتصادی حالت رہی ہے، اور نیز جو نئے مسائل پیدا ہوگئے ہین ان پر کافی بحث کیجائے گی، یہ دائرۃ المعارف بیک وقت جرمنی اور عبرانی دونون زبانون مین شائع کیجائے گی اور اگر سرمایہ مین گنجائش ہوئی تو اس کے ساتھ ہی انگریزی اڈیشن بھی طبع ہوگا، جیسی کہ اس وقت تجویز ہے اسکی دس جلدین ہونگی، ہر جلد مین ... صفحات ہونگے اور تقریباً سات سال مین مکمل طور سے شائع ہوجائے گی،

یہ دائرۃ المعارف اس قسم کی دوسری کتابون سے دو حیثیتون سے ممتاز ہوگی، وہ سختی سے کسی متنازع فیہ معاملہ پر بحث نہ کرے گی بلکہ اس مین دونون گروہون کے دلائل دیدیئے جائینگے اور فیصلہ

پڑھنے والے پر چھوڑ دیا جائے گا، دوسرے یہودیون کی خاص تاریخ اور ان کے مخصوص خیالات پر مستقل طویل مضامین ہونگے لیکن ان کی شاخون کا تذکرہ سرسری طور سے کردیا جائے گا، اس دائرۃ المعارف کے رئیس المرتبین (اڈیٹر ان چیف) ڈاکٹر جیکب کلٹزکن (Dr. jacob klatzkin) ہین، یہ فلسفہ یہود کے بڑے ماہر و مصنف ہین، دوسرے ارکان پروفیسر ای، الیان، پروفیسر ایم، گٹمین ڈاکٹر ایم ایربرس اور ڈاکٹر ایم، وشنزر ہین، اسکی اشاعت کے فرائض بیت المقدس و برلن کا والگ اسکول انجام دے گا،

جرمنی اور عبرانی اوراق اس کتاب کے نمونہ کے طور پر شائع کئے گئے ہین ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف علمی و عملی دونون حیثیت سے بہت بلند ہوگی، ان اوراقِ نمونہ مین الکیمیا، اسکندریہ، ارمی، ابدان (تشریح) دستکاری، انشٹین وغیرہ پر ان فنون و مباحث کے اساتذہ کے مضامین ہین، ان سے اس کتاب کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، دستکاری والے مضمون مین یہودیون کی دستکاری کی تاریخ ٹیٹس کے زمانہ سے آغاز کرکے موجودہ عہد تک بیان کیگئی ہے، اسی طرح دوسرے پر از معلومات و دلچسپ مضامین ہین،

"ن"

سائنس کی ۱۹۲۶ء مین ترقیان

دنیائے علم و حکمت نے اس سال مختلف شعبون مین جو نمایان ترقیان کی ہین وہ یہ ہین کہ :-

بے تار کی برقیات — لاسلکی تصویر کشی کا طریقہ برسرکار آگیا اور امریکہ اور انگلستان کے درمیان تصویرون کے منتقل کرنے کے لیے ایک کمپنی بھی بنگئی،

چھوٹی چھوٹی شعاعون کے استعمال اور ان کو لاسلکی ذریعہ سے ادھر ادھر منتقل کرسکنے کی بحث مین مسٹر مارکونی نے کامیابی حاصل کرلی، عنقریب وہ انگلستان اور اسٹریلیا کے درمیان اس طریقہ سے نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کرنے والے ہین

لندن اور نیویارک کے درمیان، لاسلکی ذریعہ سے دو بدو بات چیت کرنا بالکل سہل ہوگیا ہے، ایک منٹ گفتگو کا خرچ ۵ گنی پڑتا ہے،

مسٹر بیرڈ نے جنوری ۱۹۲۸ء مین ثابت کر دیا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک، لاسلکی ذرائع سے تصویرین منتقل کرنا بھی ممکن ہے، اب وہ یہ سوچ رہے ہین کہ اسکے لیے ایسے آلات ایجاد کرین جنمین سے کسی کی قیمت ۳۰ گنی سے زیادہ نہ ہو؛

فن پرواز اس سنہ نے فنِ پرواز مین خاص ترقی کی ہے، اور اب لوگون کو اس کے ذریعہ سے کاروبار کرنے پر مزید وثوق پیدا ہوا، ایک کمپنی نے ڈاک اور مسافرون کے لانے اور لے جانے کے لیے ہلیوپولیس سے کراچی تک ایک ہوائی راہ بنادی، لندن سے اس راہ پر تین جہاز اڑے، جو بغیر کوئی نقصان اٹھائے عراق مین وقت موعود پر پہنچے، تیسرا جہاز جس پر انگلستان کے وزیر پرواز اور انکی خاتون سوار تھین دہلی آیا، لندن سے دہلی تک ۶۲ گھنٹے صرف ہوئے ۱۲ر جنوری ۱۹۲۷ء سے اس راہ پر باقاعدہ پرواز کی آمد و رفت شروع ہوگئی ہے؛

اس سنہ مین امنڈسن نوبلی، اور زور تھ توبج نامی غبارہ پر سوار ہوکر سپٹسبرگن سے اس کا ریں تک قطب شمالی کے اوپر، اور امریکی مع ایک رفیق، صرف ایک چھت کے ایک طیارہ پر، سپتسبرجن سے قطب شمالی تک اڑے، اور سرالان کوبھم نے لندن سے کیپ تک پھر لندن سے اسٹریلیا تک کامیاب سفر کیا،

خالص علمی ترقیان اس سنہ کا خالص علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ پروفیسر ملکین امیرکی نے آسمانی شعاعون کا وجود، ان کے خواص، اور ان کی قوت کی مقدار معلوم کرلی، پروفیسر میکلسن نے ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار فی سکنڈ ۱۸۶۱۷۳ میل ہے ڈاکٹر کولیج امیرکی نے ایک نلی بنائی ہے، جس سے برق منفی کی شعاعین علٰحدہ پیدا ہوتی رہتی ہین، ڈاکٹر موصوف کو امید ہے کہ یہ نلی بھی سر ولیم کروکس کے خالی انبوبون کی طرح مباحثِ طبیعیہ مین نہایت اہم ثابت ہونگے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ ہے کہ ان نلیون سے بجلی اتنی زیادہ مقدار ہوا مین پھیل سکتی ہے جتنی روشنی ایک ٹن ریڈیم پیدا کرسکتی ہے اور چونکہ ریڈیم نادرالوجود اور نہایت قیمتی ہے اور اس نلی کی

کوئی بڑی قیمت نہ ہوگی،

پنیتھ اور پیٹرس (جرمنی پروفیسرون) نے ہیڈروجن کو ہلیوم بنادیا،

پروفیسر ہپکنس امریکی نے ۶۱ وین جوہر کو دریافت کرلیا، اور اس کا نام الینیوم رکھا ہے، اب صرف دو عنصر یعنی جوہر ۸۷ اور جوہر ۸۵ نامعلوم ہین،

طبی مرض سرطان کے اسباب اور اس کے علاج کے متعلق کینیڈا کے ڈاکٹر ہیوٹ نے تحقیق کیا ہے کہ سرطان کے پیدا کرنے والے مادہ پر، جگر کے ست کا بہت اثر ہوتا ہے، چنانچہ انھون نے اپنی اس رائے کا امتحان چوہون پر کیا جنکے سرطان ہوگیا تھا، انھون نے سور کے (جنین) کی کلیجی کے ست کو انجکشن سے چوہون کے اندر داخل کیا تو نتیجہ خاطر خواہ نکلا، اس کے بعد بہت سے آدمیون پر گائے کی کلیجی کے ست کا استعمال کیا تو اس کا بھی اثر اچھا رہا، کینیڈا اور انگلستان کی حکومتون سے درخواست کیگئی ہے کہ اس طرز علاج کی اشاعت سے پہلے اس کو بعض شفاخانون مین اور جانچ لیا جائے،

جرمنی کے کسی شخص نے ملیریا کے لیے کونین کے بجائے ایک نئی دوا دریافت کی ہے، جسکا نام پلاسموکین رکھا ہے اس کا اثر کونین سے کہین زیادہ فوری ہے، بچون کو سل سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی ایک ٹیکہ کی دریافت کا اعلان ہوا ہے،

(مقتطف ۲-۲۷) "ح"

مکالمات برکلے

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ عہ و عہ حجم ۲۴۰ صفحے،

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

باشندگانِ انگورہ، اس مہینہ مین انگورہ کی مردم شماری اختتام کو پہنچی اور بہت جلد اسکی رپورٹ شائع ہوگئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام باشندگانِ انقرہ کی مجموعی تعداد ۵۹ ہزار ہے جسمین سے ۲۳ ہزار خواتین اور ۳۶ ہزار مرد ہین، لیکن اس کے دار الحکومت ہونے سے پیشتر اسکی آبادی ۱۰ ہزار سے کبھی بھی متجاوز نہین ہوئی تھی۔

—— ❊ ——

طلبہ کی بین الاقوامی مجلس:۔ جہان دنیا مین ہر چیز اندنون ملکی حدود سے نکلکر بین الاقوامی ہوتی جاتی ہے، وہین طلبہ کی جماعت مین بھی یہ تخیل پیدا ہوگیا ہے اور اس نے اب عملی صورت اختیار کرلی ہے، چنانچہ جنیوا مین بین الاقوامی مجلس طلبہ قائم ہوچکی ہے، اور اس کا پہلا اجلاس اگست سنہ ۱۹۲۶ء مین یوگوسلیویا کے ایک شہر کارلووی مین منعقد ہوا تھا، اس مین مختلف ممالک کے ۲۰۰ طلبہ نے شرکت کی تھی، اس مین ۸ طلبہ ہندوستان کے بھی تھے، اس کا مقصد غریب طلبہ کی مدد، اور انکی برادری مین اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ہے، اسی مقصد کے لیے اس نے اپنا ایک رسالہ "سٹوڈنٹیم" Vox Studentium بھی شائع کرنا شروع کیا ہے، اس مین فرانسیسی، جرمنی، اور انگریزی زبان کے مضامین ہوتے ہین، یہ مجلس اس وقت ۵۰ ہزار پونڈ غریب طلبہ کی امداد مین صرف کرچکی ہے،

—— ❊ ——

اصلاحِ تقویم: عیسوی مہینون کا اختلافِ تعداد اصحابِ تجارت، اربابِ سرمایہ اور مزدورون کے لیے یکسان طور پر غیر منفعت بخش تھا، چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرکے مجلسِ اقوام نے اصلاحِ تقویم کے لیے ایک مجلس مقرر کی تھی کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ کیا مساوی ایام کے مستقل مہینے بنائے جاسکتے ہین،

چنانچہ اس مجلس کے ارکان نے یورپ کے اکثر ممالک کا دورہ کیا، وہان کے لوگون سے تبادلۂ خیالات ہوا اور سبھون نے اس کو پسند کیا، چنانچہ اب یہ سامان کیا جارہا ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء کی پہلی جنوری سے اس کا آغاز کردیا جائے، اس مسئلہ کو آخری مرتبہ طے ہونے کے لیے مجلسِ اقوام کے اجلاسِ اگست مین پیش کیا جائے گا،

اس تجویز کے مطابق تمام مہینے صرف ۲۸ دن کے ہونگے، پہلی تاریخ ہمیشہ اتوار کو ہوگی اور آخری سنیچر کو، اس طرح ہر دن بھی ہمیشہ خاص خاص تاریخ ہی کو پڑا کرے گا، مثلاً بدھ کا دن ۴، ۱۱، ۱۸ اور ۲۵ ہی کو ہوگا، مگر ایک بات ابھی غور طلب ہے اور وہ یہ کہ عیسوی مہینے مین ۳۶۵ دن ہوتے ہین، اسلیے اگر دن اوتنے ہی رکھے گئے تو ایک مہینہ اور بڑھانا پڑے گا اور اس پر بھی عام سال مین ایک دن چھٹ جایا کرے گا،

—— ❊ ——

ہندوستانی کارخانے، ہندوستان کے کارخانون کی جو رپورٹ متعلق سنہ ۱۹۲۵ء شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک نے اس حیثیت سے خاص ترقی کی ہے، سنہ ۱۹۲۴ء مین کارخانون کی تعداد ۶۴۰۰ تھی اور ایک سال کے اندر ان کی تعداد ۶۹۲۶ ہوگئی، اسی کے ساتھ مزدورون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوا، سنہ ۱۹۲۴ء مین وہ ۱۴۵۵۵۹۲ تھے اور سنہ ۱۹۲۵ء مین ۱۴۹۴۹۵۸، عورتون کی تعداد مین بھی ترقی ہوئی، اور وہ ۲۵۳۳۲۵ سے ۲۵۱۴۲۴ ہوگئی، اسی کے ساتھ جرائم بھی ۰۰۰ ۔ سے ۱۰۰۰۰ ہوگئے، ایسے کارخانون کی تعداد جو مزدورون سے ۴۸ گھنٹے کام لیتے تھے، ۲۰ فی صدی تھی، ۵۴ گھنٹے والے ۱۲ فیصدی اور ۵۴ سے زیادہ والے ۶۸ فیصدی تھی،

—— ❊ ——

معدنیات کی تعلیم: ہندوستان مین تقریباً ہر علم و فن کے خاص مدارس حکومت نے مختلف مقامات پر قائم کر رکھے ہین جہان زراعت، تجارت، جنگل، فوج، صنعت، حرفت وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، لیکن معدنیات کی تعلیم کے لیے اب تک کوئی چیز نہ تھی، سنہ ۱۹۱۳ء ہی سے اس کے قیام کی کوشش ہورہی تھی، مگر اس نے گذشتہ دسمبر مین عملی وجود حاصل کیا ہے، دھنباد کا علاقہ معدنیات کے لحاظ سے ہندوستان کا امیر ترین علاقہ ہے،

اس کا نام بلکا ہے، آئندہ سے تمام قیمتین، مزدوریان اور دوسری رقمین اسی سکے کے ذریعہ ظاہر کیجائینگی، جنگ کے بعد سے مختلف ممالک نے جو سکے جاری کئے ہین ان مین بلکا آخری ہے، دوسرے ممالک کے سکے یہ ہین:-

جرمن	ریشمارک	ہنگریا	پنگو
پولینڈ	زلوٹی	اسٹریا	شیلنگ

شرق اردن مین بعض آثارِ قدیمہ، برٹش میوزیم کے وفد نے شرق اردن مین چند نہایت پرانے کپڑے دستیاب کئے ہین، جو نہایت بیش قیمت اور زر و جواہر سے مرصع ہین، ان کپڑون کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بعض نہایت اہم خزانون کے ملنے کا پیش خیمہ ہین، جو مصر کے توت عنخ آمون سے بھی زیادہ بیش قیمت ہونگے،

عراق کے آثارِ قدیمہ کے لیے گرانقدر عطیہ، ایک دولتمند انگریز کے وصیت نامہ کے مطابق عراق کے آثارِ قدیمہ کے لیے چھ ہزار پونڈ وقف کیے گئے ہین، تاکہ اس سے ایک مدرسہ کی بنا ڈالکر اس مین وہان کے آثارِ قدیمہ کی تحقیق و تفحیص کیجائے،

برطانیہ کا خیراتی سرمایہ، اخبار ڈیلی میل کی سالانہ کتاب مظہر ہے کہ برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی ان انجمنون کی تعداد جو اپنے وجود کے لیے کسی قسم کی تحریر وجود کی ممنونِ احسان ہین، ۵۰،۲ ہے اور آخری مرتبہ انکی آمدنی کی جو میزان لگائی گئی تھی وہ تقریباً ......۲۶ پونڈ تھی اس مین وہ رقمین جو لوگ وقتاً فوقتاً گرجا وغیرہ کے لیے دیتے رہتے ہین، شامل نہین ہین، جو مبلغین باہر کام کرتے ہین انکے اخراجات کیلئے جو رقم وصول ہوئی ہے انکی تعداد ......۲ پونڈ ہے، صرف لندن کے ۱۱۰ شفاخانون کی جو آمدنی ۱۹۲۵ء مین ہوئی تھی، اسکی تعداد ۳۰ لاکھ پونڈ ہے، انکے اخراجات ۲۹ لاکھ پونڈ تھے، ان شفاخانون مین اس سال تقریباً ستر لاکھ مریضون کا علاج ہوا،

اسی جگہ یہ اسکول قائم ہے، اس کے کامیاب طلبہ کا وہی درجہ ہوگا جو لندن کے شاہی مدرسۂ معدنیات کے کامیاب طلبہ کا ہوتا ہے،

ایک تاریخی خزانہ کی بربادی، راؤ بہادر پرسنیس اپنے ذوقِ کتب کے لیے تمام دنیا مین مشہور تھے، انھون نے تاریخِ ہندوستان کے متعلق جو عظیم الشان بیش قیمت ذخیرہ جمع کیا تھا وہ اس قدر اہم و مفید تھا کہ لوگ دور دور سے اس چشمۂ علم سے فیضیاب ہونے کو آتے تھے، اس سے بڑھکر جو کام انھون نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے فنِ نقاشی و مصوری کا بہترین ذخیرہ جمع کیا تھا، اور اصحاب الرائے و واقف کار حضرات کا خیال ہے کہ اپنی وسعت و اختلاف کی وجہ سے یہ ہندوستانی تصاویر کا دنیا مین بہترین مجموعہ تھا، ابھی ایک سال بھی نہین گذرے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، اونکی اولاد ان کے اس بیش بہا سرمایۂ حیات کو الگ کرنا چاہتی تھی، لیکن صوبۂ بمبئی کے علم دوست اصحاب نے حکومت کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس خزانہ کو اپنے قبضہ مین لے لے، اور اس صلہ مین راؤ بہادر کی اولاد کو ماہوار دو سو روپیے برابر دیئے جائین، مگر اب یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ صرف کتابون کے لیے ہوا تھا اور تصاویر کا وہ نادر مجموعہ جو دنیا مین اپنی مثال نہین رکھتا اس مین شامل نہین ہے اور راؤ بہادر کے ورثہ اون کی فروخت کے لیے امریکہ سے نامہ و پیام کر رہے ہین، ہندوستان نے اپنی غفلت مین اپنی تمام بیش بہا چیزین یورپ و امریکہ جانے دین لیکن اب جبکہ احساسِ خودداری و وقارِ قومی پیدا ہو چکا ہے، یہ خبر نہایت افسوسناک ہے، کیا ہندوستان اس طرح غریب تر ہوتا رہے گا،

یورپ کے جدید سکے، حال مین بلجیم کی حکومت نے اپنی مالی حالت کی اصلاح اور شرحِ تبادلہ کے استحکام کے خیال سے ایک نئے طلائی سکے کے رائج کرنے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ اب وہ سکہ جاری ہوگیا ہے،

باب التقریظ والانتقاد

انڈیا آفس لائبریری

کی

فہرست مخطوطات اُردو

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے، دار المصنفین

مرتبہ مسٹر جے، الیف، بلوم ہارٹ ایم، اے

یورپ اور ہندوستان کے چہار صد سالہ تعلقات کے سیاسی، اقتصادی و معاشری نتائج جس قدر بھی مفید یا مضر ہوئے ہون اس سے ہم کو بحث نہین، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان علمی خزائن کے اعتبار سے مفلس ہوگیا، علوم و فنون کے دفاتر برباد اور کتب خانے ویران ہوگئے، مکتبون مین گرد اڑنے لگی، مدارس کا شیرازہ بکھر گیا، مشرقی تعلیم کے اوراق پریشان ہوگئے اور یہان کے تمام علمی متاعہائے گران، ارزیورپ کے مختلف ممالک مین عموماً اور انگلستان کے شاہی ایوان و جوامع مین خصوصاً پہنچکر ان کی زیب و زینت اور نمائش و زیبائش مین صرف ہورہے ہین، سلاطین دہلی کا علمی خزانہ شاہانِ اودھ کا نادر کتب خانہ ٹیپو سلطان کا ذخیرۂ کتب متعدد علم دوست روسا، اور اصحابِ علم کی ذاتی لائبریریون کا آج دھندلا سا نشان بھی تلاش کرو تو تم کو نظر نہ آئے گا کہ یہ تمام خزانے یورپ کے مختلف ممالک مین منقسم ہوچکے ہین، اصحابِ فہرست نے ان

"غنائم" کی جو ضخیم فہرستین شائع کی ہین وہ ہماری علمی بربادی کا گویا مرثیہ اور خاموش ماتم ہین، لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور جو دولت لٹ چکی وہ کسی دامون بھی واپس نہین مل سکتی، اسلئے اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہین کہ ہم اس علمی داغ کو ہمیشہ ہرا رکھین کہ کم از کم آئندہ ہم سے پھر یہ غفلت نہ ہو،

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس طرح ہندوستان مین اپنے کو روشناس کیا اور پھر جس طرح ملک کی حاکم بن بیٹھی، ایک معلوم عام تاریخی حادثہ ہے، اس کمپنی نے ابتدا ہی سے نہ صرف یہان کی دولت، یہان کی خام [illegible] کپڑے وغیرہ لے جانا شروع کئے بلکہ علمی ذخائر کے حصول کی بھی داغ بیل ڈالدی، چنانچہ جب اس کمپنی نے انگلستان کی پارلیمنٹ کے حکم کے مطابق معاملات ہندوستان کے لیے مجلس نگہداران قائم کی اور اس کے ساتھ ہی اس کا دفتر عالم وجود مین آیا تو اس کے ساتھ ہی ایک گوشہ مین ایک کتب خانہ بھی بنایا گیا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مین اس لائبریری کا سال قیام ۱۸۰۱ء دیا ہے، اور آج سے دس سال پہلے بھی اسکی کتابون کی تعداد ۵۷۰۰۰ بتائی ہے، مشہور اردو دوست فرانسیسی مستشرق گریسن دی تاسی اپنی تاریخ ادبیات ہند مین اس کتب خانہ کو مکتبۂ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے یاد کرتا ہے، یہ کتابین زیادہ تر مشرق کے متعلق اور مشرقی زبانون مین ہین،

آج سے تقریباً سات سال پہلے دار المصنفین کے ناظم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو اولین وفدِ خلافت کے رکن کی حیثیت سے یورپ جانے کا موقع ملا تھا، اس سلسلہ مین انھون نے اس علمی معبد کی بھی زیارت کی تھی اور اس کے مطبوعہ اردو ذخیرہ کے متعلق ایک مضمون ناظرینِ معارف کے لیے لکھکر بھیجا تھا، مولانا ممدوح نے اس مضمون مین اس کتب خانہ کی عام حالت کا ان الفاظ مین تذکرہ کیا تھا،

"اس دوران مین اس دیوانِ حکومت مین جسکا نام انڈیا آفس ہے تین چار دفعہ جانے کا اتفاق ہوا، اس عمارت مین جہان سیکڑون حقیقی و مجازی زیارت گاہین ہین، ایک زیارت گاہ کا نام انڈیا آفس لائبریری ہے، یہ لائبریری ایک گوشۂ عمارت مین واقع ہے اور ہندوستان کی علمی تاریخ کا مجسمہ ہے، ایک گول ریڈنگ روم (مطالعہ کا کمرہ) ہے، اس کے پہلو مین کتب خانہ ہے، دوسرے پہلو مین متعدد چھوٹے چھوٹے کمرے ہین

. . . .
جو مہتممینِ کتب خانہ کے دفتر مین . . . .

"اس لائبریری مین عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، بنگالی، گجراتی، ہندی، کتابون کا عظیم الشان ذخیرہ ہے[1]"

مولانا ممدوح نے جیسا کہ بتایا جاچکا ہے اپنے مضمون کو صرف اردو کی مطبوعات تک محدود رکھا ہے، ان مطبوعہ کتابون کی ایک فہرست بھی ۱۹۰۰ء مین شائع ہو چکی تھی اور یہی فہرست مولانا کا ماخذ تھی، اس ذخیرہ کو دیکھ کر اردو کی وسعت کے متعلق حسرت زا جذبات پیدا ہوئے تھے ان کو انھون نے ان الفاظ مین ظاہر کیا تھا،

"بہرحال مطبوعہ اردو کتابون کی اہمیت بھی یہان میری نگاہ مین کچھ کم نظر نہ آئی اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے مغرور ہونا پڑا کہ الحمد اللہ ہماری زبان بھی اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ ۰۰ ۳ صفحہ مین اوسکی فہرست تمام ہوئی ہے[2]"

اگر مولانا کے سامنے مطبوعہ فہرست نے جو مطبوعہ کتب کے متعلق اردو کی وسعت کا نقشہ پیش کر دیا تھا تو زیر تنقید فہرست جو اردو کی غیر مطبوعہ کتب کے متعلق ہے یہ بتانے کے لئے تیار ہے کہ اردو کب عالم وجود مین آئی، اس کا ابتدائی رنگ کیا تھا، پھر وہ رفتہ رفتہ کس طرح وسیع و ہمہ گیر ہوتی گئی، کس طرح سلاطین، امرا، اصحابِ علم حکما، اطبا، تجار، شعرا وغیرہ نے اس کو بڑھایا، کس طرح ہند و مسلم اور یورپین اصحاب نے اس کو ترقی دی اور کس طرح ابتدا ہی سے یہ ایک عام و ہر دلعزیز زبان بنگئی تھی،

کتب مطبوعہ کی فہرست کی طرح یہ فہرست بھی، شعبۂ اردو کے مہتمم مکتبہ مسٹر جے، الیف، بلوم ہارٹ، ایم اے، کی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، اور ہمارے پاس بغرض تنقید بھیجی گئی ہو، یہ فہرست ۱۹۲۲ء مین تقریباً تمام ہو چکی تھی، مگر مرتب کی مسلسل علالت، اور بالآخر دسمبر ۱۹۲۲ء مین اونکی موت، پھر مسئلۂ طباعت کے سوال نے ۱۹۲۶ء تک اوسے شائقین تک پہنچنے سے باز رکھا مسٹر بلوم ہارٹ کے بعد اس فہرست کی نظر ثانی اور پروف خوانی کا قرعہ نائب مکتبہ مسٹر سی، اے، اسٹوری (Mr. C. A. Storey) کے نام نکلا، یہ وہی مسٹر اسٹوری ہین جو کسی زمانہ مین علی گڈھ مین تھے، اسلیے ہم کو امید تھی کہ یہ فہرست تحقیق، محنت اور وسعتِ معلومات کے

[1] معارف ج ۲ صفحہ ۴۰۸-۴۰۱
[2] ایضاً صفحہ ۴۱۰

اعتبار سے ایک قابلِ قدر چیز ہوگی، لیکن اس کے مطالعہ نے ہم کو ایک بڑی حد تک مایوس کر دیا اور مستشرقین انگلستان کے متعلق جو حسن ظن قائم تھا اس کو بہت صدمہ پہنچایا،

اس فہرست مین ۲۶۹ قلمی نسخون کا تذکرہ ہے، یہ نسخے مختلف علوم و فنون سے متعلق ہین، اور ایک حد تک انہی کے ماتحت ان کو رکھا گیا ہے، انکی تفصیل یہ ہے:-

دینیات ۴۲، (اس مین فقہ، مناظرہ، حدیث، تفسیر، ترجمۂ قران وغیرہ سب داخل ہین) تاریخ ۷، سوانح ۳، تذکرہ ۱۲، جغرافیہ ۴، قصص ۲۸، نظم ۱۲۹، اخلاقیات ۲، طب ۳، موسیقی ۹، زراعت ۱، فوجی قواعد ۱، مجموعۂ الفاظ ۴، لغت ۲، قواعد ۲، اور متفرقات ۸ = ۲۶۹

ترتیب مین کسی خاص اصول کی سختی سے پابندی نہین کیگئی ہے، مثلاً قصص مین نظم و نثر دونون قسم کی حکایات درج کیگئی ہین، لیکن پھر نظم کی سرخی مین بھی متعدد افسانے اور مثنویان ملتی ہین، اسی طرح تاریخ کی کچھ کتابین اسی سرخی کی ماتحت ہین اور کچھ نظم کے زیر عنوان،

مرتب نے جس غیر محتاط طریقے سے فہرست ترتیب دی ہے اس کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے، پہلی ہی کتاب کو لیجئے، اس کا نام امواج خوبی دیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اردو کتاب کا نام نہین ہے، بلکہ اس کے ترجمہ و شرح کا جو فارسی مین ہے، اصل مین اس کا نام خوب ترنگ ہے، اس کے مصنف کے متعلق مرتب نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے:-

"اصلی دکھنی نظم خوب ترنگ حاشیہ پر لکھی ہے، اسے ۹۸۶ھ مین خوب محمد نے لکھا تھا، یہ شیخ کمال محمد کے ارشادات کا مجموعہ ہے[1]"

اب تاسی کا بیان سنیئے:-

خوب (کمال الدین محمد چشتی) امواج خوبی کا مصنف ہے یہ اسی تخلص کے ایک صوفی کی ہندوستانی

[1] فہرستِ مخطوطات اردو صفحہ ۱،

مثنوی موسوم بہ خوب ترنگ کا فارسی مین ترجمہ و شرح ہے، یہ شرح ۹۹۱ھ مین لکھی گئی، اور خوب ترنگ کا سال تصنیف ۹۸۶ھ ہے[1]؛

اسی طرح نسخہ نمبر ۴ کا نام زنجن ہے اور مصنف نے اس شعر مین اس کتاب کا نام خود بتایا ہے،

ہوا نزول عـروج تمام
جاکو بوجھ "زنجن" نام

لائق مرتب نے یہ نہ سمجھا کہ ہندی مین "بوجھ" کے معنی سمجھ کے ہین، اور بوجھ زنجن نام رکھ دیا، اسی طرح کتاب نمبر ۵ جو شیخ فریدالدین عطارؒ کے تذکرۃ الاولیاء کے بعض سوانح کا ترجمہ ہے، اور اس کا نام منتخب ہے، منتخب نیک نام بتایا گیا ہے اور اس کے ثبوت مین یہ شعر پیش کیا گیا ہے،

ختم پایا فضل سون ترے تمام
نام اس کا منتخب ہے نیک نام

حالانکہ اس کے بعد ہی دوسرا شعر لکھا گیا ہے،

برس بارہ اتھے ہجری تمام
ختم پایا منتخب اے نیک نام

اسی طرح مصنفین کے نام کے سلسلہ مین بھی عجیب و غریب غلطیان کیگئی ہین مثلاً نمبر ۱۰، "ایک جنگ نامہ" ہے جسمین حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد حنیف کی لڑائیون کا تذکرہ ہے، اسکے مصنف کا نام نہ معلوم کس طرح سیوک بتایا گیا ہے، حالانکہ تاسی نے صاف بتایا ہے کہ اس کا مصنف وحیدی ہے[2]،

اسی طرح دنیا جانتی ہے منطق الطیر (عطار) کا دکھنی مین جو ترجمہ ہوا ہے وہ وجدی دکھنی کا ہے، تاسی نے یہی لکھا ہے، حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے بھی بیان کیا ہے[3]، جناب نصیرالدین ہاشمی نے بھی اسے

[1] تاسی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ [2] تاسی جلد سوم صفحہ ۲۷۶ [3] تاریخ اردو قدیم صفحہ ۹۲

وجدی ہی کا ترجمہ بتایا ہے[1]، لیکن ہمارے لائق مرتب نے اسے اس شعر،

جی موافق فہم اپنے کے تضعیف
اس کتاب خاصہ کا نظم شریف

کی بنا پر اسے حضرت ضعیفؔ کا ترجمہ بتایا ہے، فاعتبروا!

اس سلسلہ مین دو باتین معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہونگی اول یہ کہ جس شعر کے ذریعہ سنہ ترجمہ نکالا جاتا ہے وہ ہر نسخہ مین جداگانہ لکھا ہے، اسلئے ہر ہر شخص نے اس سے الگ ہی سنہ اخذ کیا ہے، تاسی نے ۱۲۲۴ھ دیا ہے، میرا خیال ہے کہ تاسی نے جس نسخہ کو دیکھا تھا اوس مین یہ شعر اس طرح ہوگا:۔

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب
تب ہوا میزان مین خاصی کتاب

چنانچہ "خاصی کتاب" سے ۱۲۲۱ھ نکلتا ہے، انڈیا آفس کے نسخہ مین یہ شعر ہے،

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب
تب ہوا میزان مین "یو خاصا کتاب"

مرتب نے یو خاصا کتاب سے تاریخ نکالکر ۱۱۳۱ھ دیا ہے؛

جناب نصیرالدین صاحب کے یہان یہ شعر ہے:۔

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب
تب ہوا میزان مین کیا خاصی کتاب

"کیا خاصی کتاب" سے ۱۱۵۵ھ نکلتا ہے، (دکن مین اردو صفحہ ۵۷)

جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے اس شعر کو یون لکھا ہے،

[1] دکن مین اردو صفحہ ۵۵

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

اور "کیا خاصا کتاب" سے ۱۱۹۲ھ اخذ کیا، (تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۹۲)

اب سوال یہ ہے کہ حقیقی اور صحیح سالِ ترجمہ کون سا ہے، اس کے لیے ہم کو سب سے پہلے اس نظم کی بحر کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، یہ مثنوی مولانا روم کی مثنوی کی بحر رمل مین اور مسدس مقصود ہے، اب اس شعر کی تقطیع کیجئے، پہلا مصرع یون ہوگا:

جب کیا تا ریخ کا دل مین حساب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مگر دوسرا مصرعہ ان تینون مین اس وقت تک صحیح نہین ہو سکتا جب تک میزان کو نون غنہ کے ساتھ نہ پڑھا جائے، جو اس عہد کی زبان مین رائج نہین اور اب بھی خالص اردو مین نہین بولا جاتا، اسلیے صحیح مصرعہ یہ ہے:

تب ہوا میزان مین خاصا کتاب

تب ہوامی زان مین خا صا کتاب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اور "خاصا کتاب" سے ۱۱۵۹ھ نکلتا ہے، خاصا کتاب اور خاصی کتاب کا فرق اس زمانہ مین نہین پیدا ہوا تھا، چنانچہ بلیوتھک ڈرمارگن لیانڈش گیش شافٹ کے نسخہ مین بھی ۱۱۵۹ھ ہی ہے، اور شاید یہ نسخہ صحیح ترین ہے، یا پھر ناسخ کا دیا سنہ صحیح ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ جناب ہاشمی نے نہ معلوم کہان سے تحفۂ عاشقان (جو اسی مصنف کی دوسری مثنوی ہے، اور وہ بھی عطار کی ایک مثنوی کا ترجمہ ہے) کا سالِ تصنیف ۱۱۵۰ھ نکالا ہے اور اس طرح دو وجدی پیدا کر دیے مین، حالانکہ حکیم شمس اللہ صاحب نے اس کا وہ شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے دیا ہے

اور اس سے ۱۱۵۰ھ تاریخ نکالی ہے[1]،

اسی قسم کی سہ گانہ غلطیون سے یہ فہرست ایک بڑی حد تک بھری ہوئی ہے، اور طباعت کی غلطیون کا تو شمار ہی نہین، اشعار جو نقل کئے گئے مین وہ اکثر جگہ صنعت بے بحری کی بہترین مثال ہین،

مگر اس کے ساتھ ہی اب ہمارا فرض ہے کہ

عیبہا جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو،

کے مطابق اس فہرست کے روشن پہلو پر بھی نظر ڈالین، چنانچہ اس فہرست کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسکے ذریعہ ہم عام اردو کی عموماً، اور دکنی اردو کی خصوصاً مکمل تاریخ مدون کر سکتے ہین، جناب ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب مین لکھا ہے کہ ان کے خیال مین دکن مین اردو کا گیارھوین صدی سے آغاز ہوا مگر اس فہرست کی کتابون کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دسوین صدی مین بھی کتابین لکھی گئی ہین، اسی طرح حکایت سوداگر اور نقل موشی کہ باد شاہت می کرد ۱۰۵۸ھ اور ترجمۂ انوار سہیلی ۱۰۶۶ھ سے دکنی اردو کی اصل شکل و صورت ہمارے سامنے آجاتی ہے،

اس فہرست مین زیادہ تر کتابین نظم کی ہین اور مختلف فنون کے ماتحت جو کتب نظم دیگئی ہین انکے علاوہ نظم کے ماتحت جو کتابین درج ہین انکی تعداد ۱۲۹ ہے، ان کتابون مین متعدد چیزین قابل ذکر ہین، مثلاً ان سے ہم کو سعادت یار خان رنگین کی تمام تصانیف کا پتہ چلتا ہے، اور ان مین سے اکثر کتابین خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، جو کتابین انکی اس فہرست مین دیگئی ہین، ان کی تعداد ۲۵ ہے،

۱- دیوان ریختہ سنہ ۱۲۰۲ھ، (۲) دیوان بیختہ سنہ ۱۲۱۶-۲۰ھ (۳) دیوان آمیختہ سنہ ۱۲۲۲ھ (۴) دیوان انگیختہ یا ریختی سنہ ۱۲۲۵ھ ان چارون دیوانون کا مجموعہ چار عنصر رنگین کہلاتا ہے، (۵) حدیقۂ رنگین فارسی سنہ ۱۲۳۰ھ یہ پانچون خمسۂ رنگین کہلاتے ہین (۶) مجموعۂ رنگین سنہ ۱۲۳۵ھ یہ ۷ زبانون مین ہے، (۷) مجالس رنگین نثر سنہ ۱۲۱۵ھ (۸) اخبار رنگین، یہ آٹھون ہشت بہشت رنگین کے نام سے موسوم ہین (۹) امتحان رنگین سنہ ۱۲۳۶ھ یہ نورتن رنگین

---

[1] تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۹۳-

ہوئے اور ان کے علاوہ رنگین کا ایک اور خمسہ ہے جسمین مندرجۂ ذیل کتابین ہین :-

(۱/۱۴) جنگ نامۂ رنگین (۲/۱۴) حکایت رنگین (۳/۱۴) نصاب رنگین (۴/۱۴) حکایات رنگین (۵/۱۴) مثنوی فارسی، اس کے ساتھ ان کے سبعہ سیارہ کو بھی ملا لیجئے، (۱/۱۴) تصنیف رنگین (۲/۱۴) گلدستۂ رنگین (۳/۱۴) سحر رنگین (۴/۱۴) رنگین نامہ (۵/۱۴) ساقی نامۂ رنگین (۶/۱۴) تجربۂ رنگین (۷/۱۴) کلام رنگین، ان کے علاوہ پانچ اور کتابین ہین (۲۳) فرسنامۂ رنگین (۲۴) قوت الایمان، (۲۵) ترجمۂ قصیدۂ غوثیہ (۲۶) ترجمۂ قصیدۂ بانت سعاد (۲۷) ترجمۂ مدحیہ،

اسی طرح میر اثر کی نہ صرف مثنوی خواب خیال کا ایک نسخہ یہان موجود ہے، بلکہ ان کی ایک اور مثنوی کا بھی ایک نسخہ موجود ہے، جعفر زٹلی کی متعدد تصانیف کے علاوہ افسوس، درد، سوز، سودا، میر کے متعدد دیوان ہین، دکن کے مشہور شعراء نشاطی، غواصی، نصرتی، قطبی، بطفی وغیرہ کی تصانیف بھی موجود ہین، اور وہ ہمارے موجودہ معلومات مین اضافہ کرتی ہین، مثلاً لطفی کے متعلق حکیم شمس اللہ صاحب خاموش ہین، اور جناب ہاشمی صاحب نے صرف نام اور دو شعر دینے پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ اسکی ایک مستقل تصنیف قصۂ بہلول صادق (۱۹) موجود ہے، اسی طرح قطبی کے متعلق ہاشمی صاحب ساکت ہین اور حکیم صاحب نے اسکی ایک کتاب مترجمہ تحفۃ النصائح کا ذکر کیا ہے، ان کو اس کا بھی علم ہونا چاہیئے کہ اسکا ایک تیرہ ماسہ بھی ہے، نصرتی کی تین تصانیف مین سے دو کا ذکر ہے، گلشن عشق کے تین نسخے ہین، یہ قصہ دراصل میر عسکری عاقل خان رازی کی فارسی مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ ہے، دکن کے شمس المورخین نے اسے عاقل خان کی دوسری مثنوی شمع و پروانہ کا ترجمہ بتایا ہے، حالانکہ موخر الذکر قصہ ملک محمد جائسی کی پدماوت سے اخذ کیا گیا ہے[1]، اس مثنوی کا بھی اردو ترجمہ ہوگیا ہے، اور اس کا ایک دکنی ترجمہ (۱۹۶) یہان موجود ہے، اس کے علاوہ اس کے متعدد اور ترجمے بھی شائع ہو چکے ہین، اسلئے جناب حکیم صاحب نے غریب خافی خان پر جو الزام لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور خافی خان کا بیان بالکل صحیح

[1] فہرست کتب خانہ مشرقی پٹنہ جلد سوم صفحہ ۱۶۹۔

غواصی کی دو کتابون مین صرف ایک قصہ سیف الملوک ہے، مرتب نے نہ معلوم کن معلومات کی بنا پر غریب کو شیعہ بتایا ہے، اور پھر اسکے ساتھ ہی لکھا ہے، اگر مقدمہ مین حمد و نعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی منقبت اور حضرت عبد القادر جیلانیؒ و حضرت گیسو درازؒ وغیرہ کی مدح لکھی ہے، اسی طرح مرتب نے رستمی کو سنی بنایا ہے،

تاریخی حیثیت سے مندرجۂ ذیل کتابین قابل ذکر ہین :-

جنگ نامہ بہادر اوٗ (۳۷) و جنگ نامہ بہاؤ مرہٹہ و شاہ درانی (۳۸) ان دونون کتابون مین احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ اور ۱۷۶۱ء مین جنگ سوم پانی پت کے اسباب و نتائج کا بیان ہے، مرہٹون نے نہ صرف اسلامی سلطنت بلکہ اسلام کو مٹانے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اسے یون لکھا گیا ہے،

اس گردش سپہر کا دیکھو یہ کاروبار
کیا کیا کئے ہین رنگ زمانے نے اختیار
دکھن سے لاجماعت کفار نابکار
کی بند تک ہند کے آتے ہی ایک بار
بانگ و صلوٰۃ و گاؤ کُشی علم و اعتبار

جنگ کے خاتمہ کا نقشہ یون کھینچا ہے :-

جب دکھنیون کو تاب نہ آئی پٹھان کی
گئے بھول مردی کو پڑی سب کو جان کی
جتنے مرہٹے تھے بنیا تن کو دان کی ؟
چڑھ چڑھ اکیلے گھوڑون پہ کر کے اڑان کی
چڑیا کی بھانت اوڑ گئے میدان سے ڈار ڈار

[1] صـ۱۷

روز جنگ کی تاریخ و نتیجہ ان دو شعرون سے ظاہر کیا گیا ہے،

گیارہ سئے پر سن چوہتر
پانی پت مین ہوا چلتر
چھٹی بدھ جمادی الثانی
ہار مرہٹا جیت درانی

اسی طرح انگریزون اور افغانیون سے جو جنگ ۱۸۳۹ء مین شاہ شجاع کے سلسلہ مین ہوئی تھی اس کا بیان جنگِ خراسان (۱۴) مین ہے، سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے حالات مین دو کتابین مین پہلی کا نام حیدر نامہ اور دوسری کا فتحنامۂ ٹیپو ہے، علی عادل شاہ ثانی کے فتوحات کا حال علی نامہ مین، نادر شاہ کے حملہ کا ذکر، حالاتِ نادر شاہ و محمد شاہ مین ہے، اسی طرح شیر شاہ کی سوانح کے لیے تاریخِ شیر شاہی کا ترجمہ موجود ہے،

اندنون جب کہ فرقہ وارانہ تعصبات نے افسوسناک و ہلاک صورت اختیار کرلی ہے یہ دیکھنا باعث مسرت و سبق آموز ہے کہ اردو کی ترقی مین صرف مسلمانون کا ہی ہاتھ نہین ہے بلکہ نہ صرف ہندو بلکہ انگریز بھی اس مین ان کے دوش بدوش ہین، تنبیہ الغافلین، حضرت شاہ رفیع الدین کا فقہ کے عام مسائل مین فارسی کا ایک رسالہ ہے، اس کا اردو ترجمہ منشی بینی نراین کھتری نے کیا تھا، اسی طرح نادر شاہ کے حملہ کے جو حالات ہین وہ تلوک داس کی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے، تاریخِ اقوامِ ہند بھی ایک برادرِ وطن ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، اور لغتِ اردو ایک انگریز کی تصنیف ہے،

بعض کتابون کے اوراق پر بعض وقت عجیب و غریب تاریخی معلومات مل جاتے ہین، مثلاً ایک بیاض (۲۲۲) مین پہلی کتاب بارہ الانزاد ہے، اس کے خاتمہ پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے:

"تمام شد بعون الٰہی بتاریخ ۱۴ یوم پنجشنبہ ۱۲۵۱ھ ہجرمید (جمادی؟) الثانی دہم دراین روز

تاریخ و ماہ و سن نواب شمس الدین خان جنت رسید شد، یعنی بہ تہمت خون فریزر، انگریزان سولی دادند بردار، کشیدند،"

مسٹر فریزر دہلی کے کمشنر تھے اور ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو نواب مرحوم کو ان کے قتل کے سلسلہ مین پھانسی دی گئی تھی،

اسی طرح حیدرآباد کی مشہور مغنیہ شاعرہ چندا کا جو اپنے زمانہ مین وہان بہت با اثر تھی جو دیوان ہے اس پر انگریزی مین ایک عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"مشہور ملکۂ حیدرآباد چندا کا دیوان، اس کتاب کو اس غیر معمولی خاتون نے کپتان (سرجان) ملکم کو ۱۸ اکتوبر ۱۷۹۹ء مین ایک دعوت مین بطور نذر پیش کی تھی، یہ بزمِ سرود مسٹر الیس برنڈ وکے یہان منعقد ہوئی تھی اور چندا اسکی روحِ روان تھی"

اس ۵۰۰ تقابائی چندا کے مفصل حالات رسالہ تحفہ مین شائع ہوئے ہین اور ریختی کی ایجاد کا سہرا اسی کے سر باندھنے کی کوشش کیگئی ہے[1]،

اس فہرست کو وزیرِ ہند کے حکم سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شایع کیا ہے، کتاب بڑی تقطیع کے ۱۲×۷×۱۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکی قیمت ۲۰ شلنگ ہے، مذکورۂ بالا پریس کی شاخ کلکتہ سے دستیاب ہوسکتی ہے،

خطباتِ مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، اچھپنے سے پہلے اس کے نصف آڈر آچکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

[1] رسالہ تحفہ حیدرآباد جلد ا نمبر ۲ صفحہ ۸، ۱۰۷

مطبوعاتِ جدیدہ

مثنوی خواب وخیال، میر اثر کی مشہور مثنوی خواب وخیال ایک مدت تک خواب وخیال سمجھی گئی، آزاد، مولانا حالی، لالہ سری رام، مولانا شبلی سب نے اسکو عنقا سمجھا، یہ عنقا سب سے پہلے الاصلاح لائبریری دیسنہ بہار کے دام مین گرفتار ہوا، اور وہان سے طباعت واشاعت کی غرض سے یہ دار المصنفین بھیجا گیا، چنانچہ اسی نسخہ پر ۱۹۱۷ء مین معارف جلد ۴ نمبر ۲ مین تفصیلی ریویو کیا گیا، یہ نسخہ کسی قدر غلط تھا جسکی تصحیح کسی دوسرے نسخہ کے نہ ہونے کی بنا پر مشکل تھی، اسی لیے یہ کام ملتوی کرنا پڑا، اور نسخہ الاصلاح کو واپس کر دیا گیا، اب انجمن ترقیِ اردو کو اسکی طرف ملتفت کیا، خوش قسمتی سے اس کا دوسرا نسخہ مولوی ضیاء الحق صاحب ہاپوڑی برادر معظم مولوی عبد الحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو کے پاس موجود تھا، ان دونون نسخون کو سامنے رکھکر انجمن ترقیِ اردو نے موجودہ نسخہ چھاپ کر شائع کیا ہے، شروع مین جناب مرتب کا ایک مختصر مقدمہ ہے، جو ہر حیثیت سے تشنۂ بیان ہے، اصل مثنوی، اردو کے خزانۂ ادب کا ایک انمول موتی ہے، قدر شناسانِ اردو کو انجمن ترقیِ اردو کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے اس گران قیمت متاع کو وقفِ عام کر دیا، مولانا حالی کی راے کے مطابق درحقیقت یہی مثنوی ہے جو نواب مرزا شوق کی مثنویون کے لیے نمونہ بنی ہے، انجمن نے اپنی تالیفات کو اب ٹائپ مین چھاپنا شروع کیا ہے، چنانچہ یہ بھی ٹائپ مین چھپی ہے، امید ہے کہ اردو کے اصحابِ ذوق اسکی پوری قدر کرین گے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۱۳۵ صفحے قیمت عمر پتہ:۔ انجمن ترقیِ اردو اورنگ آباد دکن،

انتخاب کلامِ میر، میر تقی میر کے کلام کے انتخاب کا مجموعہ مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقیِ اردو کے مقدمہ کے ساتھ مدت ہوئی شائع ہوا تھا، وہی مجموعہ جناب مرتب کی ترمیم ونظر ثانی کے بعد تیسری مرتبہ پہلے سے بہتر شکل وصورت مین آراستہ ہو کر شائع ہوا ہے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۲۰۱ صفحے

قیمت عہ پتہ:۔ انجمن ترقیِ اردو اورنگ آباد دکن،

وید، قرآن اور بائبل کی دعائین، جناب پادری سلطان محمد صاحب نے اس رسالہ مین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے، قرآنِ پاک، بائبل، اور وید کی دعاؤن کو ان کے معانی کی مناسبت سے یکجا کر کے تینون کو آمنے سامنے نقل کیا ہے، اسکی ابتدا مین پادری صاحب کا ایک دلچسپ مقدمہ ہے، جسمین انھون نے "حقیقتِ دعا" "قرآن و بائبل مین دعا کرنے کا حکم" "قرآن و بائبل کے طریقِ دعا" "صفائیِ باطن، اور دعا کے اصول موضوعہ کا یکسان ہونا" وغیرہ بیان کیا ہے، اور اس کے بعد اس مین ویدون کی دعاء، طریقۂ دعاء وغیرہ پر تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وید دعاؤن مین بھی جو مذہب کی جان ہے، سامی مذاہب کی روحانیت، بلندی، و تاثیر کا مقابلہ نہین کر سکتی، حجم ۴۴ صفحے کتابت وطباعت عمدہ ہے، پتہ ایم کے خان نہال سنگھ باغ لاہور،

کشف الغطا عن مسئلۃ البنا، مدت ہوئی کہ اخبار اہلحدیث امرتسر مین مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا ایک مضمون "بنارِ عائشہؓ" پر شائع ہوا تھا، جسمین انھون نے حدیث عائشہؓ "بنا بی وانا بنت تسع سنین" مین لفظ "بنا" سے "رخصتی" مراد لیا تھا، جناب مولوی ابو المکارم محمد علی صاحب متوطن مئو ضلع اعظم گڈھ نے زیر تبصرہ رسالہ مین مناظرانہ طرز استدلال مین اسکی تغلیط کرنا چاہی ہے، جسمین وہ کامیاب نہین ہوسکے ہین، حجم رسالہ ۱۶ صفحے، جناب مؤلف سے طلب کیجئے،

مسئلۂ ربوا، ہندوستان مین مسئلۂ ربوٰ پر بحث ومباحثہ کا سلسلہ دو ڈھائی سال سے بڑی شدت سے جاری ہے، اور اب تو اسکی تبلیغ کے لیے ایک خاص رسالہ بھی جاری ہے، اسی سلسلہ مین مولانا نثار احمد صاحب کانپوری کے دو رسالے شائع ہوئے تھے جنمین بنک کے سود کو "حیلۃً" جائز کرنے کی صورت پیش کیگئی تھی، انھی رسائل کے رد مین بمبئی کی ایک جماعت "اہل السنۃ والجماعۃ" نے ہندوستان کے خاص قسم کے عربی مدارس مثلاً ٹونک، بدایون، رامپور، سہارنپور، الہ آباد، شاہجہان پور، اور بہار شریف وغیرہ کے مختلف علمائے کرام سے فتاوے حاصل کئے ہین اور ان سب کے مجموعہ کو "فتاوی العلماء فی ترک الربیۃ والربوا"

کے نام سے شایع کیا ہے، اور اسی موضوع پر جناب مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کا ایک مستقل رسالہ "الحجۃ البارقۃ علی تحریم الربوا" اور ایک تیسرا رسالہ "عمدۃ الوسیلہ فی رد جواز اخذ الربا بالحیلہ" کے نام سے شایع کیا گیا ہے، یہ تمام رسائل جمعیت اہل السنت قصاب محلہ بمبئی نمبر ۳ سے مل سکتے ہیں،

شہادت عظمیٰ، قوم بھومنہار (براہمن) کے متعلق ایک قدیم نظریہ ہے کہ پہلے اسکی نسل، عراق عرب مین تھی اور وہان سے افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئی، یہانتک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا مین اس قوم مین سے ایک شخص رہب نامی اپنے خانوادہ کے ساتھ شریک تھا، اور اس کے سات نوجوان لڑکے اموی لشکر کے ہاتھون قتل ہوئے تھے، جناب مولوی سیّد شاہ نذیر ہاشمی صاحب غازیپوری نے اس نظریہ کو ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا ہے، اور ثبوت مین اس قوم کی ایک مشہور مکتب پیش کی ہے، جسمین اس شخص کا جنگ مین شریک ہونے اور امام حسینؑ کے انتقام کے لیے اٹھنے، اور کامیاب ہونے اور اس کے بعد ہندوستان وغیرہ کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ اس قوم کے بعض ضرب المثل اور قدیم روایات بھی درج کئے ہین، امید ہے کہ اہل علم کے لیے یہ جدید شہادتین اصل نظریہ پر غور وخوض اور تحقیق وکاوش کرنے مین معاون ہونگی، رسالہ کی ابتداہی مین جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب زیدی کا ۱۲ صفحون کا ایک طویل دیباچہ ہے، جسمین شیعی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور فضائل درج ہین، اور آخر مین جناب مؤلف نے ایک جرمن اہل قلم کے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہین جو اس نے واقعۂ کربلا پر کئے تھے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۱۲ر پتہ: مطبع حکیم برہم گورکھپور،

تحریک وہابیت، جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مختصر حالات اور مسئلۂ قباب پر ایک رسالہ "تحریک وہابیت" مین روشنی ڈالی ہے، حجم ۲۲ صفحے، دو پیسے محصول ڈاک بھیجکر منیجر اہلحدیث امرتسر سے طلب کیجئے،

"ز"

عدد پنجم ۵	ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۷ء	مجلد نوزدهم ۱۹

مضامین